Hayat-i-Khusru
by
Md Sayeed Ahmad
1909

سلسلۂ تالیفات وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر

نمبر ۴

حیاتِ خسرو

جس میں

طوطی ہند حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ المتوفی ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء

کے

سوانح عمری - تصنیف و تالیف - ایجاد و اختراع کے مفصل حالات

اور

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہٗ کے مختصر واقعات

بطور ضمیمہ درج ہیں

مؤلفہ

منشی محمد سعید احمد صاحب مارہروی

مطبوعہ نولکشور سٹیم پریس لاہور

۱۹۰۹ء

تعداد جلد ۱۰۰۰ قیمت فی جلد ۱۲ آنہ

وکیل ٹریڈنگ کمپنی کی نو طبع وجدید کتب

علوم الاسلام

مسلمانوں کے علوم وفنون کا مسئلہ نہایت غامض ہے۔ فلسفہ۔ منطق۔ ہیئات۔ ہندسہ۔ طبیعیات وغیرہ کی سیکڑوں اور ہزاروں عربی کتابیں موجود ہیں اور ان علوم کا ایک معتدبہ ذخیرہ ہمارے قدیم نصاب درس میں بھی داخل ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ قدما کو کس حد تک ان میں دخل تھا اور خود مسلمانوں نے ان علوم میں کیا کیا اضافے کئے ؟ کون کون سے مسائل جن سے قدما ناواقف تھے تحقیق کئے اور موجودہ تحقیقات اُن مسائل کو کہاں تک صحیح بتاتی ہے۔ طب کو ہم یونانی کہتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس فن میں اطبائے اسلام نے کیا کیا چیزیں ایجاد کیں۔ کتنے مسائل بڑھائے۔ علاج اور مرض کے کون کون سے نئے نئے طریقے نکالے۔ سرجری میں کیا کمال پیدا کیا اور کس اہمیت کے آلات ایجاد کئے۔ علم کشش علم الحیوان۔ ارتقا۔ آرکیالوجی۔ الکٹرسٹی۔ بوٹنی۔ کیمسٹری ومناظر وغیرہ جنھیں ہم یورپ کی ایجاد سمجھتے ہیں علمائے اسلام نے کیوں کر یہ علوم وضع کئے۔ کیا کیا کتابیں لکھیں۔ وہ کتابیں کہاں کہاں چھپیں اور یورپ کی کن کن زبانوں میں ترجمہ ہوئیں۔ اس زمانہ میں اُنکے مسائل کس حد تک صحیح وقابل تسلیم ہیں ؟ یہ تمام باتیں اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھی ہیں۔ مسلمانوں کی قدیم صنعت۔ دستکاری۔ ایجادات اور صنعتی کارخانوں کا مفصل تذکرہ ہے اور اُن کثیر التعداد کلوں اور مہتم بالشان آلوں کے حالات نہایت شرح وبسط سے دیئے ہیں جو خاص مسلمانوں کی ایجاد ہیں۔ یورپ وامریکہ کی مختلف زبانوں میں اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے سب سے مدد لی گئی ہے۔ جو بات لکھی ہے قدیم عربی کتابوں کے حوالے سے لکھی ہے اور مزید توثیق کے لئے عبارتیں بھی بحوالہ صفحہ

نذر

بعالیخدمت عالیجناب نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی محمد مشتاق حسین صاحب خان بہادر انتصار جنگ

میں نہایت ادب سے

اپنی اِس ناچیز تالیف کو جناب والا کے نامِ نامی پر نذر کرتا ہوں۔ اِس حقیر تالیف کو جناب والا کے نام نامی سے منسوب کرنے میں

نہ تو

جناب والا کی اُس خداداد عزت اور شہرت میں، جو بفضلہ تعالیٰ اِس وقت حاصل ہے کوئی بیشی ہو سکتی ہے۔

نہ یہ نذر

کسی ستایش کی تمنا یا صلے کی توقع کے خیال سے ہے۔

بلکہ

محض اِس خیال سے ہے کہ میری قوم میں جناب والا علاوہ دیگر اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے سب سے زیادہ علمی معاملات میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پس آپ سے فخر قوم کے نامِ نامی کی برکت سے مجھے امید قوی ہے کہ اِن اوراقِ پریشاں کو قبولیت کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

خاکسار محمد سعید احمد مارہروی

۷۸۶

خدارا کنم بر سرِ نامہ یاد
کہ بربندہ درہائے معنی کشاد (امیر خسرو)

دیباچہ طبعِ ثانی

رمضان ۱۳۲۲ھ ہجری میں حیات خسرو کو میں نے ایک ماہ کے عرصے میں تالیف کر کے چھپوایا تھا۔ اس وقت کئی کتابیں باوجود تلاش بسیار مجھے دستیاب نہیں ہوئیں تھیں۔

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے شجر کمال کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اُن کی سوانحعمری لکھنا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ محض حسن عقیدت کے جوش نے مجھے اِس دشوار گذار راستے پر قدم رکھنے کی ہمت دلائی تھی مگر افسوس کہ بے بضاعتی کی وجہ سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیں۔ اور سوانحعمری تو کیا معمولی حالات بھی جمع نہ ہو سکے۔

اُردو زبان میں کسی کتاب کا دوبارہ طبع ہونا معراج کمال سے کسی طرح کم نہیں سمجھا جاتا یہی وجہ ہے کہ اب تک طبع ثانی کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اب مخدومی شیخ غلام محمد صاحب منیجنگ ڈائرکٹر وکیل ٹریڈنگ کمپنی امرتسر کی توجہ سے اس کتاب کے طبع ثانی کا وقت آیا۔ اِس مرتبہ بہت سے جدید حالات اضافہ کئے گئے ہیں جو امید ہے کہ دلچسپی سے دیکھے جاوینگے۔ اس بات کا افسوس رہا کہ اِس مرتبہ بھی حضرت امیر خسرو رح کی کئی تصنیفات مثل آئینہ اسکندری۔ دیوان غرۃ الکمال وغیرہ کا کہیں پتہ نہیں ملا ورنہ ممکن تھا کہ ان سے کچھ اور زیادہ معلومات حاصل ہوتی: سعید مارہروی۔ آگرہ۔ ۲۲ شعبان ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۰۸ء

یا فتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

سبحان اللہ۔ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا ولا معرفۃ الا ما لعمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

آج کل اہلِ یورپ ہر قسم کے علوم و فنون میں ترقی کرتے ہوئے آسمانِ کمال پر پہنچتے جاتے جاتے ہیں۔ اُن کی علمی قدردانی کا یہ حال ہے کہ وہ ہزاروں لاکھوں روپے صرف کرکے نہ صرف اپنے بلکہ دیگر مشرقی لوگوں کے مصنفوں۔ مؤلفوں۔ صناعوں۔ مصوروں اور دیگر اہلِ کمال لوگوں کے حالاتِ زندگی نہایت تلاش و جستجو سے بہم پہنچا کر ان کو حرزِ جاں بناتے ہیں اور اُن سے سبق حاصل کرکے ترقی کے معراجِ کمال پر پہنچتے جاتے ہیں۔ وہ نامور شعرا اور مصنفوں کی یادگاریں قائم کرکے اُن کے یادگار کی چیزوں کو نہایت عزت و افتخار کے ساتھ بطور تبرک بڑے بڑے عجائب خانوں میں رکھتے ہیں۔ اُن کے جائے پیدائش کے نقشے اُتار کر اُن سے جنتریوں اور کتابوں کے اوراق کو مزین کرتے ہیں۔ اُن کی یادگار میں اُن کی پیدائش کے دن میلے قائم کرتے ہیں۔ انگلستان میں وہاں کے مشہور ڈراما نویس شیکسپیر کی پیدائش کے دن ہر سال میلہ ہوتا ہے۔ جس میں اس فاضل کی وہ چوکی جس پر وہ ایام زندگی

میں بیٹھا کرتا تھا بطور تبرک اور عجیب شے کے پیش کی جاتی ہے اور ہزاروں لوگ دور دور سے اُسے دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح مدت سے مشہور شاعر عمر خیام کی یادگار میں ایک کلب قائم ہے جس میں اس صاحب کمال کی رباعیات نہایت ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور انگریزی اور یورپ کی دیگر زبانوں میں اُن کی رباعیات کے متعدد ترجمے شائع کئے گئے ہیں۔ مشہور و مقبول مصنف لارڈ مکالے کے دس دس جگہ کاٹ چھانٹ کئے ہوئے مسودے نہایت اعزاز سے آج تک لندن میوزیم (عجائب خانہ) میں رکھے ہوئے زیارتگاہ خاص و عام ہیں۔ اسی طرح فریرا (اٹلی کے شمالی حصے میں ایک مقام ہے) کے مشہور مصنف ایریسٹو کے آٹھ آٹھ جگہ کاٹے ہوئے مسودے نہایت عزت سے اب تک محفوظ رکھے گئے ہیں۔

برعکس اس کے مسلمان جو آٹھویں صدی ہجری تک علمی سرمایوں پر تنہا قابض تھے اور جن کے ہادی برحق کا یہ ارشاد ہے **اذکرو محاسن موتاکم** یعنے اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو۔ آج کل ایسے خواب غفلت میں سوئے ہوئے ہیں کہ کسی طرف توجہ نہیں کرتے اور روز بروز قعر ذلت میں گرتے جاتے ہیں۔ ہماری اس خواب غفلت۔ لاپرواہی۔ خود مطلبی سے ہمارے سیکڑوں ہزاروں مشاہیر کے حالات گوشۂ گمنامی میں ایسے ناپدید ہوگئے کہ قیامت تک اُن کا پتہ چلنا مشکل ہے بقول شیخ سعدی رح

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند — کز ہستیش بروے زمیں یک نشاں نماند

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نہایت دلسوزی سے تحریر فرماتے ہیں۔

میرے دوستو! زندگی کے معنے کھانا پینا۔ چلنا پھرنا۔ سونا جاگنا۔ اور مرتے ہوئے جانا نہیں ہے۔ زندگی کے معنے یہ ہیں۔ کہ صفات خاص کے ساتھ نام کو شہرت

ہو۔ اور اُسے بقاے دوام ہو۔ اب انصاف کرو کیا یہ تھوڑے افسوس کا موقع ہے کہ ہمارے بزرگ تو یہاں بہم پہنچائیں۔ اُنہیں بقاے دوام کے سامان ہاتھ آویں اور اِس پرنام کی زندگی سے بھی محروم رہیں۔ اُن کے کاموں کا اِس گمنامی کے ساتھ صفحۂ ہستی سے مٹنا بڑے حیف کی بات ہے۔ جس مرنے پر اُن کے اہل و عیال روئے وہ مرنا تھا۔ مرنا حقیقت میں ان باتوں کا مٹنا ہے۔ جس سے ان کے کمال مر جائینگے اور یہ مرنا حقیقت میں سخت غمناک ہے۔

ہماری اِس لاعلمی سے روز بروز بزرگان سلف کی عظمت ہمارے دلوں سے کم ہوتی جاتی ہے۔ ایک انگریزی مصنف کا قول ہے "کہ وہ قوم کبھی آئندہ ترقی کی اُمید نہ رکھے جس کو اپنی گذشتہ عظمت پر ناز نہیں ہے" بڑے بڑے فضلا کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ گذشتہ مشاہیر قوم کے کارنامے افسردگانِ قوم کے ولولے بڑھاتے ہیں۔ گذشتہ مصائب سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنا ترقی اور بہبودی کی جڑ ہے۔ بزرگوں کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ہم کو سکھاتے ہیں کہ ہم بھی اپنی زندگی اسی طرح اعلےٰ بنا سکتے ہیں۔ اُن کی تصنیفیں تالیفیں اُن کی زندہ یادگاریں دنیا میں موجود ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اُن سے مستفیض ہو سکتے ہیں ؎

ز سعدی ار نہ فرد زنعتی و بر جہاں باقی ست ... ولے مناقب و ذکر سخنوراں باقی ست

کجاست خسرو[1] پرویز جاہ و شوکت او ... نہ طاق دیسی[2] و نہ گنج شائگاں[3] باقی ست

جہان و ہر چہ درو ہست جملہ وقف فناست ... ولے ز فیض سخن حال زندگاں باقی ست

کیا یہ افسوس کی بات نہیں تھی کہ ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی زبان یعنے اُردو میں ہندوستان کے بلبل ہزار داستان فخر الشعرا اعلم علما صاحب اختراع

[1] نام بادشاہ عجم ۱۲ [2] نام تخت خسرو پرویز ۱۲ [3] نام خزانہ خسرو پرویز ۱۲

دریجاد جناب حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی موجود نہ تھے۔ یہ صاحبِ کمال جس کا نام نامی آفتاب کی طرح روشن اور جن کی تصنیف تالیف اور کلام معجز نظام کسی تعریف و توصیف کا محتاج نہیں ہے دماغ انسانی کے کمالات کا ایسا اعلےٰ نمونہ تھا جو عام نہیں ہے۔ یہی نہیں کہ وہ ہندوستان کی پرانی ہمدم مٹے عاشقانہ شاعری کے دربار کے ایک اعلےٰ رکن تھے۔ نہ صرف انہوں نے حسن و عشق ہی کے میدان میں کمال دکھایا ہے بلکہ کمالات انسانی کے ہر میدان میں قدم مارا ہے۔ ان کی تصنیف و تالیف اور حالاتِ زندگی طالبان نصیحت کے لئے ناصح مشفق۔ اہلِ نظر کے لئے بصیرت۔ غافلوں کے لئے خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا آلہ۔ مردہ دلوں میں جان ڈالنے کے لئے دمِ عیسےٰ سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

اس باکمال کی سوانحعمری میں جو علمی اور اخلاقی خوبیوں سے مرصع ہے۔ یہ امر بھی نہایت دلچسپ ہے کہ اقلیمِ تصنیف و تالیف میں ہماری زبان اُردو کی عالیشان عمارت کا بنیادی پتھر اسی صاحب کمال کے مبارک ہاتھ سے رکھا گیا تھا۔

میں اِن پراگندہ اوراق میں اِس برگزیدہ روزگار کے یہ ناکمل حالات پیش کرتا ہوں اور سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میری علمی استعداد ہرگز اس قابل نہیں کہ ایسے باکمال کے کمالات کا حال لکھ سکوں۔ نہ میں شاعر ہوں کہ اُن کے نکات شاعری کا اظہار کر سکوں۔ محض جوشِ عقیدت میں مجذوب کی بڑ کی طرح یہ حالات لکھ مارے ہیں ورنہ اُن کے اوصاف و کمال کا حال وہی لکھ سکتا ہے جو ویسا ہی صاحب کمال ہو

؎

ہو جو اس جیسا تو وصف اسکا لکھے　　آج اس جیسا مگر پیدا کہاں

قدر دان ناظرین کی خدمت میں بصد عجز التماس ہے کہ کوئی مضمون کوئی کتاب کوئی علم ایک مصنف یا مؤلف کے بیان میں محصور نہیں ہو سکتا اور کتب تاریخ کا

اختلاف بھی ماہرین فن تاریخ پر بخوبی ظاہر ہے پس اگر اس ناچیز کتاب میں کوئی غلطی اور خطا ملاحظہ فرمائیں تو اس کو دامن عفو میں چھپا کر از راہ ہمدردی مطلع فرمائیں اور اس خاکسار کو انگشت نما نہ فرمائیں بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

تو نیز ار بدی بینی اندر سخن — بخلق جہاں آفریں کار کن

اور جن صاحبوں کو کوئی مضمون پسند آوے تو اسے محض تائید الہی سمجھ کر شکر خداوند قدیر کا بجا لاویں اور مجھ گنہگار عاجز و شرمسار کے حق میں دعائے خیر اور سلامتی ایمان کی فرماویں۔ **رباعی**

از خاطر حق پذیر یاراں — یک فاتحہ التماس دارم
تا کار شکستہ بر آید — آں دامن شاں نمے گذارم

اب میں نہایت صدق دل سے اپنے مخدوم جناب مولوی محمد وارث علی صاحب سابق اڈیٹر اخبار اسلام آگرہ صاحب شمس التواریخ و سانحہ کربلا وغیرہ کا جن کی ادنیٰ توجہ بقول حضرت امیر خسرو ؎

شمع من یافتہ ضیا از وے — مس من گشتہ کیمیا از وے

اور جناب مولوی محمد معین الدین صاحب اکبر آبادی سررشتہ دار کلکٹری متھرا اور جناب منشی محمد طہ صاحب مارہروی اور جناب منشی محمد عابد علی صاحب انیٹھوی اور جناب منشی محمد عزیز الدین صاحب فتحپوری کی اس امداد کا جو انہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں مجھے دی ہے تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور ۔

بارگاہ خداوند قدیر میں دست بدعا ہوں

کہ اس ناچیز کتاب کو قبول عام کا درجہ نصیب ہو اور اس کے پڑھنے اور سننے والوں کو سعادت دارین حاصل ہو۔ آمین **وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد** ✤

بندۂ گنہگار امیدوار مغفرت پروردگار
محمد سعید احمد ابن مولوی محمد سلطان احمد ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ
ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

یکم رمضان سنہ ۱۳۲۱ھ مطابق ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۰۳ء

فہرست مضامین حیاتِ خُسرو

مضمون	نمبر شمار
〃 وقوعہ سیدمولی	۱۶
〃 علاؤالدین خلجی (نوٹ)	۱۷
〃 قطب الدین مبارک شاہ (نوٹ)	۱۸
〃 مثنوی نہ سپہر کا صلہ	۱۹
〃 غیاث الدین تغلق (نوٹ	۲۰
〃 باب چہارم وفات	۲۱
〃 مقبرہ	۲۲
〃 مذہب وریاضت	۲۳
〃 اخلاق وعادات	۲۴
〃 حاضر جوابی اور خوش اخلاقی	۲۵
اولاد	۲۶
〃 باب پنجم ایجادواختراع	۲۷
〃 فن موسیقی	۲۸
〃 گیت	۲۹
〃 ستار	۳۰
〃 مسلمانوں میں بسنت	۳۱
〃 باب پنجم قوالی	۳۲
〃 ایک گویتے اور امیر خسرو کا دلچسپ مکالمہ	۳۳

خاص خاص کتابوں کی فہرست
جن سے یہ سوانحعمری ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	زبان	مطبوعہ یا قلمی
۱	مثنوی قران السعدین	حضرت امیر خسرو دہلوی رح	فارسی	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۲	" مطلع الانوار	"	"	"
۳	ہشت بہشت	"	"	"
۴	" لیلی مجنوں	"	"	"
۵	" خضر نامہ یا خضر خانی دول رانی	"	"	قلمی موجودہ کتب خانہ جے پور
۶	خیالات خسرو یا انشائے خسرو	"	"	"
۷	خزائن الفتوح یا تاریخ علائی	"	"	"
۸	رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی	"	"	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۹	غنام خسرو	"	"	"
۱۰	ملفوظات خواجگان چشت	مترجمہ در ترجمہ مولوی غلام احمد خان بریاں	اردو	مطبوعہ مسلم پریس جھجر
۱۱	تذکرہ آتشکدہ آذر	حاجی لطف علیخان آذر	فارسی	مطبوعہ فتح الکریم پریس بمبئی
۱۲	تذکرہ دولت شاہ	دولت شاہ بن علاء الدولہ بختی شاہ سمرقندی	"	مطبوعہ
۱۳	" مراۃ الخیال	شیر خان	"	قلمی
۱۴	" خزانۂ عامرہ	علامہ زماں میر غلام علی آزاد بلگرامی	"	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۱۵	" کلمات الشعرا	محمد افضل سرخوش	"	قلمی
۱۶	شمع انجمن	نواب محمد صدیق حسن خاں مرحوم	"	مطبوعہ رئیس المطابع شاہجہانی بھوپال
۱۷	نگارستان سخن	سید نور الحسن	"	"
۱۸	جواہر فریدی	شیخ علی اصغر	"	قلمی
۱۹	سبع سنابل	مولانا میر عبد الواحد بلگرامی رح	فارسی	مطبوعہ مطبع نظامی کانپور
۲۰	سفینۃ الاولیا	شاہزادہ دارا شکوہ	"	" مدرسہ آگرہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	زبان	مطبوعہ یا قلمی
۲۱	سیر الاولیاء	مولانا سید محمد مبارک العلوی الکرمانی	فارسی	مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی
۲۲	مونس الارواح	شاہزادی جہاں آرا بیگم	"	قلمی
۲۳	تذکرۃ الاولیائے ہند		اردو	یونیور پریس
۲۴	فوائد الفواد اردو	امیر حسن علا سنجری مولوی ترجمہ غلام احمد خان بریاں	"	مسلم پریس جھجر
۲۵	تذکرۃ الواصلین	مولوی محمد رضی الدین بدایونی	"	مطبوعہ مطبع مصباحیہ گلاب سنگھ
۲۶	تذکرۃ الکاملین	بابو رام چند	"	مطبوعہ مطبع مطلع العلوم دہلی
۲۷	مطلع العلوم	منشی واجد علی خاں	فارسی	مطبوعہ مطبع منشی نولکشور
۲۸	تاریخ فرشتہ	ملا ابوالقاسم فرشتہ	"	"
۲۹	منتخب التواریخ	ملا عبد القادر بدایونی	"	"
۳۰	بہارستان جامی	مولانا جامی رح	"	"
۳۱	نفحات الانس	ایضاً	"	"
۳۲	تاریخ جدولیہ	خادم علی فاروقی	اردو	"
۳۳	تذکرہ آب حیات	شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد	"	مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
۳۴	تاریخ ہند جلد اول و دوم	شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ خان بہادر	"	مطبوعہ دہلی
۳۵	تاریخ فیروز شاہی	مولانا ضیاء الدین برنی رح	فارسی	مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
۳۶	بادشاہ نامہ	ملا عبد الحمید لاہوری	"	"
۳۷	سیر المتاخرین	میر غلام حسین	"	"
۳۸	توزک جہانگیری	شہنشاہ جہانگیر	"	مطبوعہ علیگڈھ
۳۹	اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری	ٹامس ولیم بیل	انگریزی	مطبوعہ کلکتہ
۴۰	تاریخ ہند	سر جان ایلیٹ	"	"
۴۱	مثنوی نہ سپہر	امیر خسرو رح	فارسی	قلمی
۴۲	تذکرہ ریاض الشعرا	حسین قلی خاں عظیم آبادی	"	"
۴۳	ایشیائی شاعری	مولانا امجد علی اشہری	اردو	مطبوعہ لاہور
۴۵	مفتاح التواریخ	ٹامس ولیم بیل	فارسی	لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ - پیدائش اور بچپن کے حالات

سنہ ہجری کی ساتویں صدی کے شروع میں جبکہ چنگیز خانی مغلوں کے ظلم و ستم اور کشت و خون کے سیلاب نے اسلامی دنیا کو تہ و بالا کر رکھا تھا اور اس خونخوار انقلاب سے بچنے کے واسطے سیکڑوں ہزاروں اعلےٰ و ادنےٰ اسلامی خاندان اپنے پیارے ہم وطن املاک کو خیرباد کہہ کر نہایت پریشانی اور بدحواسی

سے بھاگتے پھرتے تھے۔ ترکوں کے ایک نامی سردار امیر سیف الدین محمود نے سرزمین ہند میں قدم رکھا اور قصبہ مومن آباد میں جو اب پٹیالی کے نام سے موسوم اور ضلع ایٹہ میں گنگا کے کنارے واقع ہے سکونت اختیار کی ۔

اس زمانہ میں ترک سکونت اور تبدیل وطن کرنا بہت دشوار اور ناممکن امر خیال کیا جاتا ہے لیکن جس زمانہ میں کہ مسلمانوں کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا اور ان کی سلطنت کا پھریرا ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں اور بعض حصص یورپ پر لہرا رہا تھا وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں تبدیل وطن کرنا ایسا ہی آسان سمجھتے تھے کہ جیسے آج ہم دخانی انجن کے بدولت ہندوستان میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا آسان سمجھتے ہیں ۔

امیر سیف الدین محمود کے حالات صرف اس قدر معلوم ہیں کہ وہ ترکوں کے قبیلے لاچین کے سردار اور امرائے ہزارہ بلخ سے تھے اور قریش کے اطراف میں رہتے تھے ۔

اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ ہندوستان کو امیر سیف الدین محمود کی میزبانی کا فخر مغلوں کے ظلم وستم کی وجہ سے حاصل ہوا یا اس جنت نشان کی سرسبزی و زرخیزی اور مہمان نوازی کی عظیم الشان شہرت نے اپنی کشش مقناطیسی سے اس صاحب کمال کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ بہر حال جو کچھ وجہ ہو۔ ہندوستان نے اپنے عزیز مہمان کو سر آنکھوں پرلے کر نصیبے کی یاوری سے شاہی دربار تک پہنچا دیا۔ دہلی کے تخت پر اس وقت سلطان

شمس الدین التمش رونق افروز تھا۔ اِس قدردان اور کمال پرور سلطان نے امیر سیف الدین محمود کی خداداد قابلیت اور پسندیدہ اوصاف کو دیکھ کر بہت جلد اپنے امرا کی سلک میں منسلک فرمایا +

امیر سیف الدین محمود نے ہندوستان میں نواب عماد الملک[۲] کی دختر نیک اختر سے جو علم و فضل سے موصوف اور زیور صلاح و تقوی سے آراستہ و پیراستہ تھیں شادی کی۔ اور اِس عفیفہ کے بطن سے اوّل اعزّ الدین علیشاہ اور اُن کے بعد حسام الدین احمد پیدا ہوئے۔ اور ۶۵۳ھ[۳] (۱۲۵۵ء) میں بمقام پٹیالی اِس صاحب کمال نے عالم ارواح سے کشور اجسام میں قدم رکھا جسے علم و فضل کے عالیشان دربار سے خسروِ اقلیم سخن کا خطاب عطا ہوا اور

---

[۱] سلطان شمس الدین التمش دہلی کے نیک نام بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے اِسی باعظمت بادشاہ کے واسطے ۶۲۶ھ (۱۲۲۸ء) ہجری میں عباسی خلیفہ نے مصر سے خلعت اور القاب بھیجا تھا اِس کی خوشی میں بادشاہ نے تمام شہر میں آرائش کی اور خوب جشن منائے۔ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں یہ بادشاہ تخت نشین ہوا اور ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) کو وفات پائی +

[۲] نواب عماد الملک فاضل کامل بلکہ جامع الکمالات بزرگ تھے۔ ان کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے کمالات صوری و معنوی کے ساتھ امارت خاندانی کا بھی جوہر رکھتے تھے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے انکی صفت دیباچہ دیوان غرۃ الکمال میں تحریر فرمائی ہے۔ آپ کا مکان دہلی قدیم میں شہدی دروازے کے قریب تھا۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد واپسی اجودھن کے اوّل اسی مکان کے قریب قیام فرمایا تھا۔ یہ موقع اب درگاہ حضرت قطب صاحب کے قریب بی بی نور کے مقبرہ کے متصل واقع ہے +

[۳] امیر خسرو رحمہ کے سنہ پیدایش میں مورخوں نے اختلاف کیا ہے لیکن امیر خسرو رحمۃ قران السعدین میں جو ۶۸۸ھ کی تصنیف ہے اپنی عمر ۳۶ برس تحریر فرماتے ہیں۔ جسکے حساب سے ۶۵۲ھ صحیح نکلتے ہیں سہ اینچہ تاریخ ز ہجرت گذشت بود سنہ شش صد و ہشتاد و ہشت + سال من از مرد اگر بر رسی + راست بگویم بہ شش و سی بردی +

اُس کی فصاحت وبلاغت تصنیف وتالیف نے اس کو بقاے دوام کے دربار میں معزز جگہ عطا فرمائی ۔

امیر سیف الدین محمود نے اپنے نومولود فرزند کا نام ابوالحسن رکھا جو اس خسروِ اقلیم سخن کے تخلص خسرو کے آگے مشہور نہ ہوا البتہ خاندانی خطاب کا خوش نما طرہ مزین کر کے امیر خسرو کر دیا گیا ۔

منقول ہے کہ امیر سیف الدین محمود کے مکان کے قریب ایک مجذوب صاحب حال رہتے تھے جس وقت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے ۔ آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان مجذوب کی خدمت میں لے گئے ۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی اُن مجذوب نے فرمایا کہ یہ لڑکا عارف باللہ اور یگانۂ روزگار ہوگا قیامت تک اس کا نام یادگار رہے گا ۔ اور وہ قدم خاقانی سے آگے بڑھ جائے گا ۔ اس کے بعد دعا دی کہ اللہ تعالےٰ اس کو ہر دل عزیز کرے

چار برس کی عمر تک امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ناز و نعمت سے پٹیالی میں پرورش پائی ۔ اس کے بعد اپنے والد ماجد کے ہمراہ دہلی تشریف لائے ۔ اِن کے بچپن اور تعلیم وتربیت کے حالات صرف اس قدر معلوم ہوتے ہیں کہ آٹھ برس کی عمر تک اپنے باپ اور بھائیوں کی صحبت میں زیورِ علم اور لباسِ فضل وکمال سے آراستہ اور صفاتِ حمیدہ سے موصوف تھے تحصیل علم وکمال کرتے رہے ۔ جب نویں برس میں قدم رکھا شفقتِ پدری کا مبارک سایہ سر سے اٹھ گیا یعنے امیر سیف الدین محمود نے جن کی عمر اس وقت پچاسی برس کی تھی کسی لڑائی میں کفار کے ہاتھ سے شہادت پائی ۔

لے خزانہ عامرہ ۔ مونس الارواح ۔ تذکرۂ الاولیاے ہند ۔ سیر الاولیا ۱۲

بنی نوع انسان کے وہ افراد جنہیں صانع قدرت صفتِ کمال سے موصوف کرتا ہے ابتدائے عمر ہی سے اپنے ابنائے جنس سے صاف الگ نظر آتے ہیں۔ ہندی میں مثل مشہور ہے۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ چنانچہ امیر خسرو رح کی رسائی ذہن اور طبیعت کی براقی کا اس عمر ہی میں یہ حال تھا کہ جس وقت انہیں اپنے والد ماجد کی شہادت کا حال معلوم ہوا ان کے مرثیہ میں فوراً یہ بیت موزوں کی ؎

سیف از سرم گزشت و دلِ من دو نیم ماند
دریائے ماروان شد و دُرِّ یتیم ماند

امیر سیف الدین محمود کی شہادت کے بعد ان کے بڑے بیٹے اعز الدین علیشاہ ان کے قائم مقام ہوئے۔ لیکن امیر خسرو رح کی تعلیم و تربیت ان کے صاحب کمال نانا نواب عماد الملک نے جن کی عمر اس وقت ایک سو تیرہ برس کی تھی نہایت شفقت سے اپنے ہاتھ میں لی اور اس قدر توجہ اور التفات آپ کی طرف مبذول فرمائی کہ بہت تھوڑی مدت میں انہوں نے جملہ علوم عقلی و نقلی میں جو اس عہد میں مروج تھے سند فضیلت حاصل کی۔ اور فضلائے عہد میں شمار ہونے لگے۔

حضرت امیر خسرو رح نے اپنے پہلے دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں اپنی ابتدائی شاعری کے دلچسپ حالات لکھے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"بندہ خسرو عرض پرواز ہے کہ عنایت ایزدی سے میں نے بارہ برس کی عمر میں بیت و رباعی کہنی شروع کی۔ فضلاء اور بلغاء روزگار ان کو سنکر تعجب کرتے تھے۔ ان کے تعجب سے میرا شوق ابھرتا تھا۔ وہ بزرگ میری قابلیت دیکھ کر ترغیب دیتے تھے۔ میرا یہ عالم تھا۔ کہ کثرت شوق کے اثر سے شام سے صبح تک چراغ کے سامنے مثل قلم سرنگوں رہتا تھا اور رات کو مطالعہ میں مصروف

یہاں تک کہ نظر میں دقت پیدا ہوئی۔ اور کلام کی باریکیاں خیال میں آنے لگیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تھا کہ ابنائے جنس میری طبیعت کا امتحان لیتے تھے۔ امتحان سے میرا دل گرماتا تھا۔ اور دل کی گرمی زبان میں روانی پیدا کرتی تھی۔ اس وقت تک کوئی استاد نہ ملا تھا جو دقایق کی راہ بتاتا۔ قلم کو بے راہ روی سے روکتا۔ نقایص کو دور کرکے کمال کا جلوہ دکھاتا۔ پس میں نوآموز طوطی کی طرح اپنے ہی خیال کے آئنے کے سامنے بیٹھا بیٹھا مشق سخن کرتا تھا۔ اور سخن سنجی سیکھتا تھا۔ اِسی طرح آہنِ دل کی صیقل گری اپنی ہی قوتِ بازو سے کرتا رہا۔ استادوں کی تصانیف کا مطالعہ ہمیشہ کرتا تھا۔ حتےٰ کہ مذاق لطفِ کلام ذوق سخن سے آشنا ہوا۔ انوری وسنائی کا کلام دیکھتا اور فہم کو روشنی پہنچاتا۔ جو عمدہ نظم نظر آتی اُس کا جواب لکھتا۔ جس دیوان کا مطالعہ کرتا اُسی کے انداز پر شعر کہتا۔ ایک عرصے تک خاقانی کے دامن دولت سے لپٹا رہا۔ جو الفاظ اُس کے کلام میں مغلق تھے اُن کی تعلیق کی (یعنی نوٹ لکھے) اگرچہ مغلق اشعار کو حل کرتا تھا تاہم مقتضائے نوعمری کما حقہ حقایق کلام واضح نہیں ہوتے تھے ہرچند میری ہمت آسمان پیا تھی لیکن اُستاد کے کلام کا پایہ اتِنا بلند تھا کہ میرے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی تھی۔ بایں ہمہ عاقبۃ الامر استاد کی پیروی سے طبیعت بڑھنے لگی چونکہ میرے کلام کا کوئی خاص مرجع نہ تھا ہر اُستاد کے رنگ میں کہتا تھا۔ اِس لیے اِس مجموعہ میں متقدمین اور متاخرین سب کا رنگ موجود ہے۔

حاصل کلام میرے والد نے تحصیل علم کے واسطے مجھے مکتب میں بٹھایا یہاں یہ حال تھا کہ قافیہ کی تکرار تھی۔ میرے استاد مولانا سعدالدین خطاط مشق خط کی تاکید کرتے تھے میں اپنی ہی دھن میں تھا۔ وہ پیٹھ پر دُرّے لگاتے تھے مجھ کو زلف و

خال کا سودا تھا انتہا یہ کہ اسی سن میں وہ شعر و غزل کہنے لگا جس کو سن کر بزرگوں کو حیرت ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ صبح کے وقت میرے استاد کو خواجہ اصیل نائب کوتوال نے خط لکھنے کے واسطے بلایا۔ میں دوات قلم لے کر ہمراہ ہوا۔ اس عزیز کے گھر میں خواجہ عزیزالدین کالوگلا تی نظر بند تھے۔ خواجہ موصوف عالم متبحر اور دریائے سخن کے شناور تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ مطالعہ کتاب میں مصروف تھے۔ اثنائے مطالعہ میں جب وہ کسی مضمون پر گفتگو کرتے تھے تو ان کے منہ سے موتی جھڑتے اور جواہر آبدار زبان سے نکلتے۔ میرے استاد نے اُن سے کہا کہ یہ میرا ادنیٰ شاگرد اس بچپن میں نظم کا بیحد شائق ہے۔ شعر پڑھتا بھی خوب ہے۔ کتاب اس کو دیکر امتحان لیجئے۔ خواجہ عزیز نے فوراً کتاب مجھ کو دے کر سنانے کی فرمایش کی۔ میں نے اشعار ترنم آمیز لہجہ میں پڑھنے شروع کئے۔ اس کے اثر سے آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ ہر طرف سے تحسین کی آواز آنے لگی۔ پھر میرے استاد نے کہا کہ اب پڑھنا سن لیا کوئی بیت پیش کر کے جودت طبع کی آزمائش کیجئے۔ خواجہ موصوف نے چار غیر متناسب چیزوں کے نام لے کر کہا کہ ان کو نظم میں موزوں کرو۔ وہ نام مو۔ بیضہ۔ خربزہ۔ تیر۔ تھے۔ میں نے اسی جلسہ میں یہ رُباعی موزوں کر کے سنائی ؎

ہر موے کہ در دو زلف آں صنم است ——— صد بیضۂ عنبریں بر آں موے ضم است
چوں تیر بداں راست دلش را زیرا کہ ——— چوں خربزہ دندانش بہ دوق نم است

جس وقت میں نے یہ رباعی پڑھی خواجہ نے بہت ہی آفرین فرمائی اور نام پوچھا۔ میں نے کہا خسرو۔ باپ کا نام پوچھا۔ میں نے کہا لاچین۔ کہا لاچین ترک خطا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ بیشک ترک ہے۔ دریافت کیا کہ تم درم خریدہ ناصری (اشارہ بجانب سلطان ناصرالدین) ہو۔ عرض کی سلطانی شمسی (اشارہ بجانب سلطان شمس الدین شمسی)

ہوں (سلطانی اشرفی کو کہتے تھے۔ درم خریدہ کی کیسی رعایت ہے) فرمایا کہ چونکہ تمہاری نسبت سلطانی ہے لہذا سلطانی اپنا تخلص رکھو۔ اِس کے بعد بہت سی باتیں پیر دل بڑھانے کی کیں اور فن کے متعلق بہت سی دقیق باتیں تلقین فرمائیں جن کو میں دل میں رکھتا گیا اُس روز سے میں نے اپنا تخلص سلطانی رکھا۔ اِس دیوان میں یہ سکہ بہت رائج ہے۔ اس کے بعد باریک مضامین کے پیچھے پڑا رہا[۱]

امیر خسرو کی اُستادی کا فخر خواجہ شمس[۲] الدین خوارزمی کو بھی اِس لحاظ سے

---

[۱] از انتخاب غرۃ الکمال (مترجمہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی)

[۲] خواجہ شمس الدین خوارزمی فاضل متبحر اور علمائے کبار سے تھے اور شاعری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے عہد (۶۴۴ھ ۱۲۴۵ء تا غایت ۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء) کے سب سے بڑے علام اور شاعر مشہور تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے عہد کے اخیر زمانے میں ان کو شمس الملک کا خطاب عطا فرما کر اور صوبہ بنگال کا میر منشی کر کے اپنے بیٹے نصیر الدین بغرا خاں کے پاس بھیج دیا تھا۔

تاج الدین سنگریزہ نے ان کی مدح میں فرمایا ہے ؎

شعر: کنوں بکام دل دوستاں شدی	زماں دہ ممالک ہندوستاں شدی

قبل مدت سلطانی کے یہ طلباء کے درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے اور ایک حجرہ مطالعہ خاص کے واسطے مخصوص کر رکھا تھا۔ تین شاگرد خاص جو صاحب استعداد ہوتے تھے وہ اس حجرہ میں مولانا سے سبق پڑھتے تھے بقیہ شاگرد باہر تعلیم پاتے تھے۔ بڑے بڑے بزرگ اور اولیاء اللہ مثل حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ اور ملا قطب الدین ناقلہ اور ملا برہان الدین عبد الباقی کی اُستادی کا فخر آپ کو حاصل تھا۔ نمونہ کے طور پر آپ کے اُس مقدس قصیدے سے جو سلطان ناصر الدین محمود کی مدح میں لکھا ہے چند شعر درج کئے جاتے ہیں +

ایں ہمہ کار دلم از توبہ نادانیٔ خام	دادۂ دوش مرا وعدۂ مہمانی خام
پختہ کردم ہمہ شب چشم ندانستم کاں	طمعے بود ازاں گونہ کہ مے دانی خام

(بقیہ حاشیہ دیکھو صفحہ ۹ پر)

حاصل ہے کہ اُنھوں نے آپ کی مشہور تصنیف پنج گنج کی اصلاح فرمائی ہے۔ دیوان غرۃ الکمال کے دیباچہ اور پنج گنج کے آخری گنج یعنے مثنوی ہشت بہشت میں حضرت امیر خسرو رح نے آپ کے علم و فضل کی بہت کچھ تعریف کرکے اُن کی شاگردی کا اعتراف کیاہے جس کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں +

(علم و فضل کی تعریف و توصیف کے بعد تحریر فرماتے ہیں)

نورِ دل چوں بہ عالم افگندہ — سایہ برکارِ من ہم افگندہ
من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش — او بہ اصلاح ماندہ خامۂ خویش
دید ہر نکتہ را رقم بہ رقم — رنج بر خود نہاد منّت ہم
ایں دقائق کہ شد ز مغزش پوست — مو بمو شعر سبز کردۂ اوست
شمعِ من یافتہ ضیا از وے — مسِ من گشتہ کیمیا از وے
ہرچہ او گفت من نہادم گوش — برکشیدم چمن ز شربتِ نوش
وانچہ نمود و من نجستم پے — عیبِ آں بر من است نے بر وے
صد ہزار آفریں برآں دلِ پاک — کہ بروں بُرد زیں چمن خاشاک
آنچہ او دید بس نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید
یارب او چوں بہ رنج نامۂ من — برد بیروں خطائے نامۂ من

نامۂ او کہ حرزِ جانش باد — در قیامت خط امانش باد

[illegible]

شاہ محمود شہ سلطاں کہ از و فخر بود — فخر در اُنس و پیراست قوی پختہ سخن
بعت او نخیۂ شعرش چو ز پختہ و نیست — پختہ کرد ست فلک بہر تو ملکت یارب
دیگ دانا ز درویش نیست ز سلطانی حنام — نیست چوں دختریاں سوختہ دیوانی خام
سخنش چوں سخنِ پختہ خاقانی خام — پختۂ او بہ کرم بازنہ گردانی حنام

باب دوم

امیر خسرو رح کا حضرت سلطان المشائخ[1] رح کا مرید ہو کر صوفیانِ صافی دل کے زمرے میں شریک ہونا اور اُس کے متعلق دیگر حالات - اور عشق و محبّت کا دلچسپ اور دلفریب مُرقّع

جب امیر خسرو رح علم و فضل کے کمالات ظاہری سے فیضیاب ہو چکے تو نوشیدارو حقیقت یعنی کمالاتِ باطنی کے حصول کا شوق دامنگیر ہوا اُس وقت دہلی میں حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت و ارشاد کا بازار گرم تھا اور اُن کے انفاسِ متبرکہ سے فیض و برکت کے چشمے جاری تھے - جس سے ایک عالم سیراب ہو رہا تھا - امیر خسرو رح بھی نہایت صدق دل سے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے - آپ نے چشم بصیرت سے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تیری پیشانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے گلشنِ ولایت سے تجھے نفع پہنچے گا - یہ سنکر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ فوراً شرف بیعت حضرت

---

[1] سلطان المشائخ رح سے مراد حضرت محبوب الٰہی نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ سے ہے - کل کتاب میں جہاں لفظ سلطان المشائخ رح آیا ہے آپ ہی کی ذات والا صفات سے مراد ہے - آپ کا مختصر حال ضمیمہ میں تحریر کیا گیا ہے ۱۲

سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مشرف ہوکر زمرۂ مریدانِ جاں نثار میں شامل ہوئے
امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں ؎

کالبدِ سوختہ بر جاں رسید ‏ ‏ ‏ ‏ مردہ بسر چشمۂ حیواں رسید
کارشناس از نظرِ دوربیں ‏ ‏ ‏ ‏ شد ز دلِ تیرۂ من نور بیں
دیدہ زرمز بابتہ کورہ در ‏ ‏ ‏ ‏ علتِ بیمار بہ قارورہ در
گفت زسیمائے تو شد روشنم ‏ ‏ ‏ ‏ کت نفسے می رسد از گلشنم

حلقۂ مریدانِ جاں نثار میں شامل ہوکر امیر خسرو رح نے اس قدر ریاضاتِ شاقہ فرمائیں کہ حضرت سلطان المشائخ رح کی توجہ سب مریدوں سے زیادہ اُنکی طرف مبذول ہوئی۔ اور انہوں نے اپنے اخلاص اور اعتقاد سے بہت جلد حضرت کی خدمت میں ایسی عزت و منزلت حاصل کی کہ کسی دوسرے مرید کو میسر نہ ہوئی +

شاہزادی جہاں آرا بیگم بنت شہنشاہ شاہجہاں سے کتاب مونس الارواح

لہ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ سنہ ۶۸۶ھ (۱۲۸۶ء) میں جب سلطان معزالدین کیقباد نے موضع کیلوکھڑی میں جو متصل غیاث پور جائے قیام حضرت سلطان المشائخ رح کے قریب قصر شاہی اور قلعہ تعمیر کرایا اور شہر آباد کرکے جامع مسجد بنائی اس وقت سے ایک انبوہ کثیر امرا کا حضرت سلطان المشائخ رح کے پاس آنے لگا اور اسی زمانہ میں امیر سیف الدین لاچین مع اپنے لڑکوں اعزالدین علی شاہ اور حسام الدین اور ابوالحسن (خسرو) کے حضرت کے مرید ہوئے اور اس وقت امیر خسرو رح کی عمر اٹھ برس کی تھی۔ تاریخی تحقیقات سے یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ سنہ ۶۸۶ھ میں امیر خسرو رح کی عمر بائیس ۲۲ یا تیئیس ۲۳ برس کی تھی اور اُنکے والد کا انتقال نو برس کی عمر میں ہوچکا تھا اور امیر خسرو رح سنہ ۶۸۶ھ سے پہلے حضرت کے مریدوں میں شامل ہوچکے تھے (ملاحظہ ہو سیر الاولیا جو بہت مستند کتاب ہے)

میں منقول ہے کہ عنایت حضرت سلطان المشائخ رح کی امیر خسرو رح پر اس درجہ تھی کہ آپ فرماتے تھے کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں مگر اے ترک تجھ سے تنگ نہیں ہوتا۔ اور ایک روز فرمایا کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں یہاں تک کہ اپنے سے خود تنگ ہو جاتا ہوں مگر تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا ؞

صاحب سیر الاولیا تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائے حال میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ رح نے امیر خسرو رح سے دریافت کیا کہ شغل عبادت کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آخری شب میں چند روز سے رونا آتا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ رح نے فرمایا کہ الحمد للہ کچھ ظہور ہونا شروع ہوا ؞

چند روز کے بعد حضرت سلطان المشائخ رح نے امیر خسرو رح کو خرقہ خلافت عطا فرما کر ترک اللہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ لیکن محبت سے کبھی کبھی صرف ترک ہی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے امیر خسرو رح فرماتے ہیں ؞

بر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت	دست ترک اللہ بگیر و ہم باللہش سپار
چوں من مسکیں ترا دارم بسینم بس بود	شیخ من بس مہربان و خالقم آمرزگار

صاحب سیر الاولیا نے اس خطاب کی نسبت امیر خسرو رح کی یہ عبارت نقل کی ہے ؞

بندہ را خواجہ ترک اللہ خطاب کردہ است و چندیں فرمان موشح و مزین بخط مبارک ایشاں بدیں خطاب در حق بندہ مبذول بودہ و بندہ آں را تعویذ ساختہ تا بوقت دفن برابر بندہ باشد فردائے قیامت رحمٰن بحق من بیچارہ بداں کاغذہا بخشاید انشاء اللہ تعالےٰ الکریم ؎

در پیش تو اے ز مرکس ب کہ منم	در راہ غمت کمینہ ترخس کہ منم

ایک مرتبہ کسی مرید نے حضرت سلطان المشائخ رح سے عرض کیا کہ بعضی اوقات

و مہربانی امیر خسرو رح کے حال پر ہے اُمیدوار ہوں کہ بندہ کے حال پر بھی مبذول فرمائی جاوے۔ آپ نے جواب دیا کہ اپنے میں ویسی قابلیت تو پیدا کرو +

علامۂ زماں میر غلام علی آزاد بلگرامی خزانۂ عامرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت امیر خسرو رح نے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی وہ نظم جو حضرت کی مدح میں لکھی تھی نظر انور سے گذرانی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کا کیا صلہ چاہتا ہے چونکہ اُس زمانہ میں اِن کا میلانِ طبع شاعری کی طرف بہت تھا اِس وجہ سے جواب دیا کہ اپنے کلام میں شیرینی چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہماری چارپائی کے نیچے طشت میں شکر رکھی ہے اُس کو لاکر اپنے سر پر سے نثار کر اور تھوڑی اُس میں سے کھالے۔ امیر خسرو رح حضرت کا حکم بجالائے اور شیرینی کلام کی دولت سے مالامال ہوئے۔ صاحب سیرالاولیا لکھتے ہیں کہ اخیر عمر میں امیر خسرو رح اپنی اِس التجا پر بہت افسوس کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے اِس سے بہتر کوئی خواہش کیوں نہ کی +

نفحات الانس میں عارفِ ربانی مولانا جامی رح نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ رح کے اشارے سے امیر خسرو رح خواجہ خضر کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور خواہش لعاب دہن کی کی اُنہوں نے فرمایا کہ یہ دولت شیخ سعدی کی قسمت کی تھی۔ امیر خسرو رح نہایت شکستہ دل ہو کر حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل حال بیان کیا حضرت نے اپنا لعابِ دہن اُن کے منہ میں ڈالا اور برکت اُس کی ظاہر ہوئی۔ امیر خسرو مثنوی نہ سپہر میں خود فرماتے ہیں ؎

لہ اکثر تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا رح نے امیر خسرو رح کو ہدایت فرمائی کہ بطرز صفاہانیاں بگو یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز +

من ازوے لعاب زباں یافتم	ازیں گونہ آب دہاں یافتم
دو قطرہ ازو در دوات افگنم	قلم دتاب حیات افگنم

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے دل میں خیال گذرا کہ میرا تخلص خسرو اہل دول سے نسبت رکھتا ہے اگر فقرا کی طرف منسوب ہوتا تو کیا خوب ہوتا تاکہ قیامت کے دن میں اسی نام سے پکارا جاتا۔ میں نے ایک دن یہ امر حضرت سلطان المشائخ رح سے عرض کیا کہ میری تمنا ہے کہ قیامت کے دن مجھ کو فرشتہ خسرو کہہ کر نہ پکاریں کیونکہ یہ نام متکبر ہے حضرت نے فرمایا کہ وقتِ سعید میں تیرا تخلص رکھا جاوے گا۔ پھر چند روز کے بعد ارشاد فرمایا کہ مجھے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ صحرائے محشر میں تجھے محمد کاسہ لیس کہکر فرشتے بلاوینگے ٭

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ ایک دن بعد فارغ ہونے وظائف صبح کے حضرت پیر روشن ضمیر نے بندہ کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے تو بھی سن۔ شب آدینہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صدر الدین پسر شیخ بہاؤالدین رح میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے اُن کی تعظیم کی۔ اور اُنہوں نے ایسی تواضع کی کہ بیان سے باہر ہے اس کے بعد دیکھا کہ ایک ترک تو دور سے پیدا ہوا اور میرے پاس آکر بیان معرفت شروع کیا اسی وقت اذان کی آواز آئی اور میں بیدار ہوا۔ اس کے بعد زبان الہام بیان سے ارشاد فرمایا کہ دیکھ کیا مرتبہ ہے۔ میں نے نیاز مندی سے عرض کیا کہ میں ایک ناچیز بندہ ہوں۔ یہ سب آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ آپ کو یہ سنکر رونا آیا اور چلا کر روئے میں بھی اس وقت بہت رویا بعدہٗ آپ نے کلاہ خاص طلب فرماکر دستِ مبارک سے میرے سر پر رکھی اور فرمایا کہ کلمات مشائخ کو زیادہ دیکھا کر اور یہ رباعی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائی رباعی؛

ملکیت ملک سخن آں خسرو راست	خسرو کہ بہ نظم و نثر ثانش کم خاست
زیرا کہ خدائے ناصر ایں خسرو ماست	آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ رح بعد نماز عشا پلنگ پر تشریف لے جاتے اس وقت آپ کے دستِ مبارک میں تسبیح و یجاتی تھی اور اس کے بعد کوئی شخص سوائے امیر خسرو رح کے آپ کی خدمت میں نہیں جا سکتا تھا۔ امیر خسرو رح روزانہ تشریف لے جاتے اور حضرت کے روبرو بیٹھ جاتے تھے۔ جب آپ ارشاد فرماتے کہ ترک آج کیا خبر ہے اُس وقت یہ ہر قسم کی حکایتیں دن بھر کے واقعات اور دیگر راز و نیاز کی باتیں بیان کرنا شروع کرتے۔ جب کسی مرید کو حضرت کی خدمت میں کچھ التجا کرنی منظور ہوتی تو وہ اوّل انسے کہتا اور یہ اس موقع پر حضرت کے گوش گذار کر کے اُس کی سفارش کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ ان کی خاطر سے برابر سر ہلاتے رہتے تھے اور گفتگو ختم ہونے کے بعد مناسب جواب ارشاد فرماتے تھے۔ اکثر و بیشتر انکی سفارش منظور ہوتی تھی اسی سعادت کی نسبت امیر خسرو رح فرماتے ہیں ؎

کہ در جمال تو دستوریئے نظر یابد	زہے سعادت و اقبال چشم آں کس را

بیت دیگر

کہ دیدہ بر کفِ پایت نہد بہ خواب شود	نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا

شیخ برہان الدین غریب رح جو خلیفہ اور مرید حضرت سلطان المشائخ رح کے تھے ایک دن اُن کی شکایت شیخ علی زنبیلی اور ملک نصرت نے حضرت سلطان المشائخ رح سے کی کہ مولانا برہان الدین پیرہن کراہ خرقہ پہن کر کمل بچھا کر بیٹھتے ہیں اور خلق کثیر اُن کے پاس جمع ہوتی رہے۔ انہوں نے دُکان

نشینی کی خوب گرم گرمی ہے حضرت سلطان المشائخ رحمہ یہ حال سنکر بہت رنجیدہ ہوئے اور جب مولانا برہان الدین خانقاہ میں حاضر ہوئے تو آپ اُن کی طرف متوجہ نہ ہوئے اُسی وقت خدام نے مولانا سے کہا کہ تم کو مناسب ہے کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ یہ جگہ تمہارے بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔ مولانا حیران و پریشان وہاں سے اُٹھکر مکان پر آئے جب پیر کی مفارقت سے نہایت بے تاب ہوئے اکثر یاروں سے سفارش کرانا چاہی مگر کسی کی ہمت سفارش کرنے کی نہ پڑی آخر امیر خسرو رحمہ کی خدمت میں التجا سفارش کی لے گئے آپ کو رحم آیا اور دستار اپنے سر سے اُتار کر اُن کی گردن میں ڈالی اور اِسی ہیئت سے سلطان المشائخ رحمہ کی خدمت میں لے گئے۔ اُس وقت آپ کلاہ مبارک سر پر کج رکھے ہوئے وضو کر رہے تھے امیر خسرو رحمہ نے دیکھتے ہی یہ بیت موزوں کر کے پڑھی **بیت**

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

حضرت نے نظر اٹھا کر دیکھا اور مسکرا کر فرمایا کہ ترک اللہ کیا حال ہے اُنہوں نے کہا کہ یہ بندہ معافی جرائم مولانا برہان الدین رحمہ کا خواہش مند ہے حضرت نے اُسی وقت مولانا کا قصور معاف فرمایا اور اُٹھکر دونوں سے بغلگیر ہوئے[1]۔

ایک مرتبہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے چاہا کہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو اولیائے نامدار اور مشائخ صاحب اسرار چشت اہل بہشت سے حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ایسے مست الست تھے کہ بڑے بڑے صاحب کمال درویشوں کی ہمت بھی اُن کے سامنے جانے کی نہ پڑتی تھی کچھ نذر ارسال کرے۔ اُمراء سے مشورہ کیا کہ کون سے کرٗ

---

[1] سیر الاولیا میں اِس روایت کو خفیف تغیر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۱۲

جاوے۔ کسی کی ہمت نہ پڑی کہ قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر کلام کرے بعد بحث و مباحثہ سب کی یہ رائے قایم ہوئی کہ امیر خسرو رح کو روانہ کیا جاوے۔ بادشاہ نے ایک امیر کو حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں روانہ کیا اور اجازت چاہی۔ پہلے تو آپ نے تامل فرمایا لیکن پھر کچھ سوچ کر اجازت دیدی۔ اور چلتے وقت امیر خسرو رح کو نصیحت کردی کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ فرماویں اسکو تسلیم کرنا اور کسی بات پر معترض نہ ہونا امیر خسرو رح نذر سلطانی لے کر دہلی سے پانی پت روانہ ہوئے اور تیسرے دن وہاں پہنچ کر اپنے آنے کی اطلاع قلندر صاحب کو کرائی ؏ انہوں نے فرمایا کہ آنے دو*

امیر خسرو رح نے نزدیک پہنچ کر سلام علیک کی۔ قلندر صاحب نے اس کے جواب میں کوئی لفظ ہندی کا فرمایا جس کے معنی گانے والے کے ہیں۔ یہ سنکر امیر خسرو رح نے پھر سلام کیا اور کہا کہ یہ آپ کی عنایت ہے جو میری طرف خطاب ہوا ورنہ میں ایک ناچیز بندہ ہوں اس کے بعد قلندر صاحب نے فرمایا کہ از ہیری اے خود چیزے بگو یعنی اپنی تصنیف سے کچھ کہو امیر خسرو رح نے نہایت خوش الحانی سے اپنی وہ غزل سنائی جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے*

اے کہ گوئی ہیچ مشکل چوں فراقِ یار نیست
گر امیدِ وصل باشد ہمچناں دشوار نیست
چند گویندم بروزنار بند اے بت پرست
بر تنِ خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

یہ غزل سنکر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خسرو خوب کہتا ہے۔ خوش رہے گا۔ خوش جاوے گا۔ پھر یہ شعر خود پڑھے۔

تو ہیم خسرواں برہ لعل اشتر است
خسرو کسے کہ حلقۂ تجرید بر سراست

عقل کل است علم لدنی بہ عارفاں	ایں عقل و علم جسے و رسمے مخمرات

یہ اشعار سنکر امیر خسرو رح کو رقت پیدا ہوئی۔ قلندر صاحب نے فرمایا کہ کچھ سمجھا بھی یا ویسے ہی روتا ہے[1]۔ اُنہوں نے کہا کہ مجھ کو رونا اِس قدر آیا کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ یہ جواب سنکر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول فرمائی اور کہا کہ اگر مولانا نظام الدین (سلطان المشائخ) کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اِس کے بعد خدام کو حکم دیا کہ امیر خسرو رح کو خانقاہ میں اعزاز و اکرام سے رکھو تین دن امیر خسرو رح نے قیام کیا اور پھر اجازت چاہی قلندر صاحب نے اجازت دی اور چلتے وقت دو خط ایک بنام حضرت سلطان المشائخ رح اور دوسرا بنام سلطان علاو الدین تحریر کر کے ان کے حوالہ کئے۔ علاؤ الدین خلجی کے نام جو خط تھا اُس کی عبارت یہ تھی۔ علاؤ الدین کوطۂ دہلی مقرر واندکہ بابندگانِ خدائے تعالیٰ نیکو کند۔ جب دربار میں یہ خط پڑھا گیا تو بعض خوشامدی اُمرا نے کہا کہ بادشاہ خلیفۃ اللہ کو ایسا لکھنا ترک ادب میں داخل ہے۔ سلطان نے کہا کہ غنیمت ہے کہ اِس ذرہ بے قدر کو اِس مرتبہ کوطہ دہلی تو لکھا ہے ایک مرتبہ تو شحنۂ دہلی لکھا تھا۔

شاہزادۂ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک سیاح فقیر برائے طلب حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مطلب بیان کیا اتفاق سے اُس وقت خانقاہ عالی میں کچھ موجود نہ تھا آپ نے فرمایا کہ ٹھیر جا جو کچھ فتوح آجا ے گی وہ تجھے دونگا اُس دن کچھ نہ آیا۔ پھر فرمایا کہ کل جو فتوح ہوگا وہ تیرا ہے اتفاق سے دوسرے دن بھی کچھ نہ آیا اور اسی طرح جب چار پانچ دن گذر گئے اُس وقت مجبور ہو کر آپ نے اپنے کفش مبارک اُس فقیر کو

[1] قلندر صاحب نے ہندی کا یہ فقرہ ارشاد فرمایا تھا "ایں روندا نیہ کچھ بجھ دا نیہ"

عطا فرمائے۔ اور اُس نے نہایت اعتقاد سے حضرت کے اِس عطیہ کو منظور کیا اور دہلی سے روانہ ہوا امیر خسرو رح جس زمانہ میں کہ شاہزادہ محمد سلطان خاں شہید کی مصاحبت میں ملتان رہتے تھے ہر سال اُس کے ہمراہ ایک بار دہلی آیا کرتے تھے۔ اُسی زمانہ میں دہلی آ رہے تھے اتفاقیہ اُس فقیر سے راستے میں ملاقات ہو گئی۔ آپ نے اُس سے دریافت کیا کہ کہاں سے آتے ہو اُس نے کہا کہ دہلی سے آپ نے فرمایا کہ حضرت سلطان المشائخ رح کا کچھ حال معلوم ہے اُس نے کہا کہ خیریت سے ہیں اس کے بعد اُنہوں نے دریافت کیا کہ حضرت کی کچھ نشانی تمہارے پاس ہے اُس نے کفش مبارک دکھائے اور کل حال بیان کیا امیر خسرو رح نے کہا کہ انکو فروخت کرو گے اُس نے اقرار کیا اُس وقت پانچ لاکھ تنگہ (روپیہ) ان کے پاس موجود تھے جو ایک قصیدے کے صلے میں ملے تھے وہ کل اِس فقیر کو دے دیئے اور پیر کے کفشِ مبارک اُس سے لے لئے۔ جب دہلی پہنچے اُن کو سر پر رکھے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ اے خسرو ارزاں خریدی۔ سبحان اللہ کیا عقیدت اور کیا نیاز تھا جن کے ایسے عقیدے ہوں اُنھیں اپنے مرشدِ کامل سے کیوں نہ فیض پہنچے اور کیوں نہ اُن کے پیر اُن سے خوش اور راضی رہیں ⁂

اِسی قسم کی ہزاروں حکایات اور کلمات امیر خسرو رح کے مشہور ہیں جنھیں بخوفِ طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

آپ نے اپنی تصنیف و تالیف میں حضرت سلطان المشائخ رح کی مدح اور شان میں بہت کچھ کہا ہے جس میں سے کچھ تھوڑا سا تبرکاً اِس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔

قصیدہ

اے شربتِ عاشقی بہ جانت	وز دوست زماں زماں بیانت

در سیر وصال ہر دو عالم | واجل بہ مسافت دوگامت
شد سلک فرید از تو منظوم | زانست کہ شد لقب نظامت
صد جان شریف پاک را چرخ | بگداخته و نوشتہ نامت
درگاہ تو قبلہ و ملائک | پرّاں چو کبوتراں بہ بامت
سو واز دگان شوق حق را | تسکین ز مفرح کلامت

جاوید بقاست بندہ خسرو
چوں شد بہ ہزار جاں غلامت

قطعہ

اے زابرار دیدہ کس علمش | نے زابدال یافتہ بدلش
ہر شبش زاوج عالم اسرار | صبح دولت دمیدہ در شب تار

مثنوی

در حجرہ فقر پادشاہے | در عالم دل جہاں پناہے
شاہنشہ بے سریر و بے تاج | شاہانش بخاکپاے محتاج

بیت

در اثنائے نماز اے جاں نظر بر قامتت دارم
مگر از قامت خوبت قبول افتد نماز من

دیگر

جدا از خانقاہ او بتقدیم	حطیم کعبہ را مانند بہ تعظیم
فلک کردہ بہ سقفش آشیانہ	چو اندر سقفہا گنجشکِ خانہ

مثنوی ہشت بہشت میں فرماتے ہیں۔

خسروا پائے نیک مرداں گیر	باسیہ نشیں و پیش بمیر
بایدت خانۂ حیات درست	از خضر باید آب حیواں جست
خواہی از خاک بر سپہر خرام	خاک شو زیر پائے شیخ نظام

حضرت سلطان المشائخ رح نے بہت سے رقعے نہایت ذوق وشوق سے امیر خسرو رح کے نام تحریر فرمائے ہیں اور ان میں بہت سے نصائح فرمائے ہیں ایک رقعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

بعد از مخالطت جوارح اشتغال بامور مرضیہ شرع اجتناب نماید۔ و در مراعات اوقات ہم کوشد و عمر عزیز را کہ سبب تحصیل کل مرادات است غنیمت شمرد روزگار را بہ بطالت مصروف نہ گرداند*

مرقع الفت

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اور امیر حسن[1] رح کے عشق و محبت کا قصہ بہت دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ منقول ہے کہ آغاز شباب میں امیر خسرو رح ایک دن حضرت سلطان المشائخ رح کے ہمراہ بازار تشریف لے گئے تھے۔ امیر حسن علاء سنجری مشہور شاعر جو حسن وجمال میں بے مثال اور فضل و دانش میں کمال رکھتے تھے اور اس زمانہ میں روٹی کی دکان کیا کرتے تھے اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے روٹیاں بیچ رہے تھے جونہیں امیر خسرو رح کی نگاہ ان سے دوچار ہوئی۔ چونکہ

[1] امیر حسن علاء سنجری کا حال شعرائے عہد میں دیکھو ۱۲

عشق کی حرارت سے دل ان کا گداز ہو رہا تھا فوراً ان کی شکل زیبا اور حرکاتِ موزوں کو دیکھ کر قفسِ محبت میں گرفتار ہوا۔ امیر خسرو رح نے دوکان کے قریب جاکر دریافت کیا کہ میاں روٹی کس حساب سے بیچتے ہو۔ مثل مشہور ہے کہ عشق اور مشک نہیں چھپتا اور محبت کی آنکھ فوراً پہچان لی جاتی ہے۔ امیر حسن نے امیر خسرو رح کے حال پر مطلع ہوکر ظرافت سے جواب دیا کہ میں ترازو کے ایک پلہ میں روٹی رکھ کر خریدار سے کہتا ہوں کہ زر دوسرے پلہ میں رکھ۔ جب زر اسکا روٹی کے وزن سے بہت بھاری ہو جاتا ہے اس کو لے کر خریدار کو راستہ بتلاتا ہوں۔ امیر خسرو رح نے کہا کہ اگر مشتری مفلس ہو تو اس کی کیا تدبیر ہے جواب دیا کہ اس سے زر کے عوض درد و نیاز لیتا ہوں۔ امیر خسرو رح اس حسن کلامی سے حیران رہ گئے اور حقیقت حال اپنے مرشد کامل حضرت سلطان المشائخ رح سے آکر بیان کی ❖

امیر خسرو رح کی سچی محبت نے بہت جلد امیر حسن کے دل میں بھی درد پیدا کر دیا۔ انہوں نے دوکان ترک کر دی اور حضرت سلطان المشائخ رح کی خانقاہ میں امیر خسرو رح کے پاس آمد و رفت شروع کر کے اوّل سے زیادہ علوم و کمال ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور ان دونوں کے باہم ایسی محبت پیدا ہوئی کہ یک جان و دو قالب کا مضمون ہو گیا ❖

عشق صادق کا اگر فریاد رتبہ ہو حصول
یار کے دل میں بھلا دیکھیں اثر کیونکر نہ ہو

اس کے بعد امیر خسرو رح اور امیر حسن نے شاہزادہ محمد سلطان ابن غیاث الدین بلبن حاکم ملتان کی ملازمت اختیار کی امیر خسرو رح شاہزادے کے مصحف دار اور امیر حسن دوات دار مقرر ہوگئے۔ جب شاہزادہ ملتان سے دہلی آتا دونوں عزیز

شاہزادہ کی خدمت سے فارغ ہو کر اکثر اوقات حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت بابرکت میں حاضر رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی عاشقی اور معشوقی کا اس قدر شہرہ ہوا کہ اہلِ غرض نے شاہزادہ کے گوش گذار کیا کہ تمام خلق امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کو اہلِ ملامت سے جانتی ہے یہ ہرگز شاہزادہ کے قرب خدمت کے قابل نہیں ہیں۔ انہیں دنوں میں امیر خسرو رح نے ایک غزل میں یہ اشعار موزوں کئے تھے ؎

دوستانِ من ہوس دارم بنالیدن ولیک — درد چوں در سینہ باشد نالۂ زار آورد
صد گلہ دارم و لے چوں باشد آں دور نظر — کیست کاں ساعت زبانم را بگفتار آورد
زیں دلِ خود کام کارِ من برسوائی کشید — خسروا فرمان دل بردن ہمیں بار آورد

شاہزادہ نے مصلحتاً امیر حسن کو امیر خسرو رح کی مصاحبت اور اختلاط سے ممانعت کر دی لیکن چونکہ رشتۂ محبت ان کے درمیان میں مضبوط تھا ممانعت نے کچھ فائدہ نہ بخشا اور اہلِ غرض نے پھر یہ حال شاہزادے سے عرض کیا۔ اس مرتبہ شاہزادے نے غصہ میں آکر چند تازیانہ امیر حسن کے ہاتھ پر مارے۔ مثل مشہور ہے۔ ملامت صیقلِ زنگارِ عشق است۔ امیر حسن تازیانہ کھا کر اسی وقت امیر خسرو رح کے مکان پر پہنچے۔ شاہزادے کو بھی اسی وقت یہ حال معلوم ہو گیا متعجب ہو کر ایک مصاحب سے کہ جو حقیقتِ حال سے مطلع تھا فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی محبت مجازی زیورِ حقیقت سے آراستہ اور انکا جمال حال پردۂ عفت و صلاح سے پیراستہ ہے۔ اسی وقت شاہزادے نے امیر خسرو رح کو طلب فرما کر ان سے دریافت کیا کہ محبت تمہاری آمیزش ہوا سے پاک ہے یا نہیں۔ امیر خسرو رح نے جواب دیا کہ ہمارے درمیان سے دوئی کوچ کر گئی ہے شاہزادے نے کہا کہ اس کا ثبوت کیا ہے۔ یہاں بقول شخصے

خوں رگِ مجنوں سے ٹپکا فصدِ لیلیٰ نے جو لی
عشق میں تاثیر ہے پر جذبِ کامل چاہئے

جذب کمال درجہ پر پہنچ چکا تھا فوراً ہاتھ آستین سے نکال کر فرمایا ع
گواہِ عاشقِ صادق در آستیں باشد

شاہزادے نے دیکھا کہ نشان تازیانہ کا جس مقام پر امیر حسن کے ہاتھ میں لگا تھا اُسی مقام پر امیر خسرو رح کے ہاتھ پر موجود ہے۔ نہایت تعجب سے سکوت اختیار کیا امیر خسرو رح نے اُسی وقت یہ رباعی پڑھی رباعی

عشق آمد وشد چو خونم اندر رگ و پوست	تا کرد مرا تہی و پر کرد ز پوست
اجزاے وجودم ہمگیں دوست گرفت	نامیست مرا برمن و باقی ہمہ اوست

اُس وقت نسیم عالم تحقیق اِن کے باغ امید پر چلی۔ عالم و مافیہا ان کی نظر میں ایک خس دکھائی دیا۔ شاہزادے کی ملازمت سے استعفا پیش کیا۔ لیکن شاہزادے نے نہایت اصرار اور خوشامد سے اُن کو اِس ارادے سے باز رکھا۔

ممکن ہے کہ اکثر کج فہم جو لذات نفسانی اور بہائمی کے پورا کرنے کو عشقبازی سمجھتے ہیں اِس روایت کو دیکھ کر امیر خسرو رح پر امرد پرستی کا الزام لگاویں لیکن درحقیقت یہ بات نہیں ہے۔ عشق مجازی عشق حقیقی کا پہلا زینہ ہے عاشق صادق اپنے معشوق کی صفات کا عاشق ہوتا ہے نہ کہ اُسکی ذات کا۔ پردۂ حسن وجمال میں قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ اِس وجہ سے اکثر صوفیانِ صافی دل معشوق حقیقی کے جلوے کو معشوقِ مجازی کے حسن میں دیکھا کرتے ہیں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قطعہ

نظر بنکوان نہ بیست معہود	نہ ایں بدعت من آوردم بہ عالم

۵ تاریخ فرشتہ ۔

حدیثِ عشق اگر گوئی گناه است
گناه اوّل ز حوا بود و آدم

اگر دعوے کنی پرہیزگاری
مسلم دارست والله اعلم

وگر گوئی که میل خاطرم نیست
من ایں دعوئے نمیدارم مسلم

اور چونکہ بہ نسبت عورت کے عشق کے امرد کے عشق میں گنہ گاری کا کم خدشہ ہوتا ہے اِس وجہ سے اکثر صاحب دل امردوں کے عشق و محبت میں گرفتار پائے جاتے ہیں۔ عشق کی نسبت حضرت امیر خسرو رح فرماتے ہیں۔

زنده نه آنست که جانے دروست
اوست که از عشق نشانے دروست

چند بری عشق ببازی بسر
عشق وگر باشد و بازی وگر

مرد که در عشق ز جاں مرد نیست
گر صفِ کافر شکند مرد نیست

زنده دلاں خوش ز غمِ دل شوند
جانوراں پاک به بسمل شوند

پاک روائے که به آگاہی اند
کشتۂ حق چوں ملخ و ماہی اند

روئے نکو راحتِ نظارگی ست
بر دلِ عاشق غم و آوارگی ست

آنکه تو بینی ز رخِ زیبائے شمع
شورشِ پروانه شد و زیبِ جمع

صورتِ شاہد اجلِ معنوی است
خطِ مسلسل رقمِ جادوئی ست

دل شدگاں را رخِ زیبا دل است
مستیِ بلبل نه ز گل کز گل است

گر نبود دیدۂ شہوت گرائے
چیست به از دیدنِ صنعِ خدائے

دیدنِ خوبانست بشہوت وبال
قند چو مے گشت نباشد حلال

گر نگری پاک رخِ لاله فام
نیست گلِ لاله به دیدن حرام

آنکه ز حق پاکئے چشمش عطا است
منع ز رخسارِ بتانش خطا است

دیده که در روئے نظر پاک نیست
سرمۂ آں دیده بجز خاک نیست

دیده نباشد که نظر نیستش
کور چه بیند که نظر نیستش

دیدۂ بادام کہ بے نور نیست   از گلِ بادام چہ آگہ کہ چیست

بابِ سوم

امرائے شاہی اور سلاطین عہد کی ملازمت اور مصاحبت اور دیگر حالات

جب امیر خسرو رح کے کمالاتِ شاعری اور فضیلت علمی کا عالمگیر شہرہ ہوا تو شہزادہ محمد سلطان خاں شہید کے دربار میں بھی اِن کے علم و فضل اور کمالاتِ شاعری کا مذکور ہونے لگا شاہزادہ نے طلب فرمایا اور نظر جوہر شناس سے دیکھ کر اپنی مصاحبت کا افتخار بخشا اور خدمت مصحف داری پر مامور فرمایا اور امیر خسرو رح نے بھی اِس مقولہ پر عمل کرکے اِس خدمت کو منظور کر لیا۔

مراد اہلِ طریقت لباسِ ظاہر نیست
کمر بخدمتِ سلطان بند و صوفی باش

شاہزادہ محمد سلطان سلطان غیاث الدین[1] بلبن کا بڑا بیٹا اور ولیعہد سلطنت مکرم

[1] سلطان غیاث الدین بلبن جمادی الاول ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء میں تخت نشین ہوا اور ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء میں اکیس برس اور چند مہینے سلطنت کرکے اسّی برس کی عمر میں اِس دارِ ناپائدار سے سدھارا۔ یہ شاہ فرخندہ آثار اور بادشاہ معدلت شعار اوصاف حمیدہ اور خصائلِ پسندیدہ سے آراستہ و پیراستہ تھا اُس کا زمانہ خیر القرون سے تھا کارہائے سلطنت کو سنجیدگی اور فہمیدگی سے انجام دیتا تھا۔ اور سوائے اکابر اور مردم دانا کے کسی کے سپرد نہ کرتا اور اراذل کو کارہائے سلطنت میں دخل نہ دیتا تھا اور جب

اخلاق اور محاسن اوصاف سے موصوف اور فضیلت و دانش علم و ہنر میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اُس کی درگاہِ عالی درگاہ محمودی اور سنجری پر ترجیح رکھتی تھی شاعران

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۶) تک دیانت اور صلاح و تقوے کسی شخص کا تشخص نہ کرلیتا کوئی شغل اور عمل نہ فرماتا اور نسب کی تصحیح میں مبالغہ بلیغ اور تفحص کثیر کرتا اور جو شغل اور عمل سپرد کرنے کے بعد کسی میں نقص ذاتی اور صفاتی کا گمان ہوتا تو اُسے فوراً معزول کرتا تھا اُس نے اپنے تمام ایامِ سلطنت میں مسخروں اور اربابِ نشاط کو کبھی مُنہ نہیں لگایا اُس کے عہدِ دولت میں سلطنتِ دہلی کو وہ شان و شوکت حاصل ہوئی کہ سلاطینِ عراق اور خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ اُس کی دوستی کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔ چنگیز خانی مغلوں کے ظلم و ستم سے جو بادشاہ اور شاہزادے وسطِ ایشیا سے اس کے عہدِ سلطنت میں ہندوستان تشریف لے آئے تھے وہ اِس کے عالیشان دربار میں فرشِ عزت اور سرداری پر متمکن ہو کر نہایت ذوق و شوق سے تخت کے روبرو دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف دو شاہزادے جو خلفاے عباسیہ کے اولاد میں سے تھے اُن کو پاے تخت پر بیٹھنے کی عزت حاصل تھی۔ جس وقت بادشاہ اور شاہزادے یا بزرگانِ وقت اُس کے عہد میں یہاں وارد ہوتے۔ سلطان اظہارِ بشاشت کر کے شکرِ الٰہی بجالاتا تھا اور ہر ایک شاہزادہ کے واسطے علیحدہ محلہ مقرر کرتا تھا۔ اُس کے عہد میں یہ پندرہ محلے جدید دہلی میں آباد ہوئے تھے۔ محلۂ عباسی۔ سنجری۔ خوارزم شاہی۔ دیلمی۔ علوی۔ اتابکی۔ غوری۔ چنگیزی۔ رومی۔ سنقری۔ یمنی۔ موصلی۔ سمرقندی۔ کاشغری۔ خطائی سلطان کے عدل و انصاف کی نسبت مؤرخوں نے بہت سی حکایتیں تحریر کی ہیں جن میں سے دو یہاں درج کی جاتی ہیں +

ملک قیتق ابن جادار نے جو امراے بزرگ سے تھا اور چار ہزار سوار خاصہ کے رکھتا تھا اور ولایت بداؤں اُس کی جاگیر میں تھی بدمستی کی حالت میں ایک غریب فراش کے اس قدر دُرّے مارے کہ وہ مرگیا۔ چند دنوں کے بعد جب بادشاہ بداؤں کے دورے پر گیا فراش کی

فراست آئین اور فاضلانِ سعادت قرین اور علمائے دین اور مشائخ طریقت اُسکی مجلسِ ہمایوں میں ہمیشہ جمع رہتے اور اُس کی حاتمی بذل و احسان اور گلزار سخاوت کی صبا سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ ایسا مہذب اور مؤدب تھا کہ مجلس اُمراء میں اگر تمام دن و رات اجلاس کرتا تو بھی اپنا زانو بلند نہ کرتا تھا اور قسم اُس کی لفظ حقا کے سوا نہ تھی۔ اُس کی مجلسِ عالی میں ہمیشہ شاہنامہ اور دیوانِ خاقانی و انوری اور خمسہ مولانا نظامی اور اشعار امیر خسرو رح پڑھے جاتے تھے۔ اربابِ فہم و دانش اُس کی شعر فہمی کے معترف تھے۔ امیر خسرو رح سے منقول ہے کہ میں نے جودتِ طبع اور دریافتِ معنی دقیق اور سخن شناسی اور یادداشتِ اشعار متقدمین و متاخرین میں کسی کو مثل محمد سلطان کے نہیں دیکھا۔ بیس ہزار بیت کی ایک بیاض کتب متقدمین سے انتخاب کر کے بہت خوش خط لکھی تھی امیر خسرو رح اور امیر حسن رح اِن اشعار پسندیدہ سے محظوظ ہوئے اور شاہزادے کی شعر فہمی اور ادراکِ بلند کی مدح و ثنا کی۔ شاہزادے کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷) بیوی دربار عام میں آکر فریادی ہوئی۔ بادشاہ نے بعد ثبوت جرم ملک تعیق کے اُس ستم رسیدہ کے روبرو اس قدر دُرّے لگوائے کہ اُس کے شوہر سے جا ملا ✤

اسی طرح اُس کے ایک غلام صاحب اعتبار نے جس کا نام ہیبت خان اور اودھ کا جاگیردار تھا ایک شخص کو حالتِ مستی میں مار ڈالا اُس کی زوجہ دربارِ سلطانی میں دادخواہ ہوئی سلطان نے ہیبت خاں کو پانچ سو دُرّے مار کر اُس عورت کے حوالے کیا اور فرمایا کہ آج تک میرا غلام تھا اب تیرا مملوک ہے۔ تجھے اس کے قتل یا رہائی کا اختیار ہے۔ ہیبت خاں نے ایک جماعت کے ذریعے سے بعد تضرع و زاری مبلغ ایک لاکھ روپیہ اُس ضعیفہ کو دے کر آزادی حاصل کی اور اس حادثہ کے بعد مرتے وقت تک غیرت کے مارے باہر نہ نکلا ✤

جاندار کو عطا فرمائی اور آن سے امیر خسرو رح کو ملی۔ تمام شعراء نے اس بیاض کو دیکھ کر اُسکے منتخب اشعار اپنی اپنی بیاضوں میں نقل کئے تھے۔

امیر خسرو رح کے ہمراہ امیر حسن رح بھی شاہزادے کی ملازمت میں داخل ہوئے اور اِن دونوں صاحب کمالوں نے اپنی شگفتہ بیانی اور عقل و دانش۔ فہم و فراست کی بدولت شاہزادے کے مزاج میں ایسا دخل پایا کہ خلوت و جلوت مقام و سفر کسی حالت میں اُس کو ان کی جدائی گوارا نہ تھی اگرچہ کمال کی قدردانی اور سخاوت اِس صاحبِ کمال جوہری کی عام تھی مگر جو عزت و منزلت امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کی تھی وہ کسی دوسرے مصاحب کی نہ تھی۔

شاہزادہ محمد سلطان ملتان کا حاکم تھا امیر خسرو رح اور امیر حسن رح اور دیگر صاحب کمال شعراء اور علماء اور فضلا کی وجہ سے اُن دنوں خطۂ ملتان رشکِ گلستان ارم ہو رہا تھا۔ شاہزادے نے دو مرتبہ اپنے مقربوں کو بہت سا روپیہ اور نادر و نایاب تحفے دیکر شیراز میں حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کیا اور امیر خسرو رح کے اشعار بھی شیخ کے ملاحظہ کے واسطے روانہ کر کے نہایت ادب سے التماس قدوم میمنت لزوم کی فرمائی اور ارادہ کیا کہ ملتان میں حضرت شیخ کے واسطے ایک خانقاہ طیار کرا کر کچھ دیہات اُس کے اخراجات کے واسطے وقف کرے مگر دونوں مرتبہ حضرت شیخ نے ضعف پیری کا عذر تحریر کیا اور ہر بار اپنے ہاتھ سے اپنے کلام کی بیاض مرتب کر کے شاہزادے کے پاس روانہ کی اور امیر خسرو رح کے کلام کی بہت تعریف لکھ کر اُن کے ہم صحبت ہونے کی مبارکباد دی اور لکھا کہ اِس جوہر قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہئے۔

• شیخ آذری نے کتاب جواہر الاسرار اور حاجی لطف علی خاں نے آتشکدہ میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رح عین پیرانہ سالی میں شیراز سے

امیر خسرو رح کی ملاقات کو آخری مرتبہ ہندوستان میں تشریف لائے تھے اور ایک دوسرے کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اور شیخ سعدی شعر میں حق استادی امیر خسرو رح پر ظاہر کرتے تھے۔ بعض مؤرخین نے اس روایت کو محض اس شک پر مشکوک خیال کیا ہے کہ جس وقت ہندوستان اور ایران میں امیر خسرو رح کی شہرت ہوئی۔ اُس وقت شیخ کا عالم ضعیفی تھا اور یقین نہیں آتا کہ اس عمر میں شیخ نے اس قدر دور و دراز سفر محض ایک نوجوان کے دیکھنے کی خاطر اختیار کیا ہو ✦

امیر خسرو رح کی دلی ارادت اور اعتقاد کا حال جو شیخ سعدی رح کی نسبت تھا اُن کی اس بیت سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے **بیت**

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت
شیرہ از خمخانۂ سعدی کہ در شیراز بود

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؏

جلد سخنم دارد شیرازۂ شیرازی

امیر خسرو رح اور امیر حسن رح پانچ برس تک ملتان میں شاہزادہ محمد سلطان کی مصاحبت میں رہے۔ سنہ ۶۸۳ھ (۱۲۸۴ء) میں دفعتاً فلک شعبدہ باز نے ایک نیا رنگ بدلا۔ تیمور یا تیمر نامی مغل نے کہ امرائے عظیم الشان چنگیز خانی سے تھا دریائے راوی کو عبور کرکے لاہور کے قریب فساد برپا کیا حاکم لاہور نے شاہزادہ محمد سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع بذریعہ عرضداشت کے دی اُس نے اپنے دربار میں تیس ہزار فوج کو تین ہزار پڑھا اور نہایت سامان سے کوچ کرتا ہوا لاہور کے قریب دریائے راوی کے کنارے پر آ پہنچا یہاں مغلوں سے مقابلہ ہوا اور لڑائی کے بعد تیمور مغل شکست کھا کر بھاگا۔ امرائے ہند نے مفروروں کا تعاقب کیا چونکہ شاہزادے نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی جلدی سے مع پانچ سو غازیوں کے دریا کے کنارے ایک مقام پر نماز میں مشغول

ہوا اسی عرصے میں ایک مغل سردار نے کہ جس کے ہمراہ دو ہزار سوار تھے شاہزادے پر حملہ کیا۔ شاہزادے نے نماز سے فارغ ہو کر ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کئی بار حملہ کر کے بہت سے مغلوں کو قتل اور پسپا کیا۔ قریب تھا کہ مظفر و کامیاب ہو کہ ناگاہ ایک تیر شست قضا سے چھوٹ کر شاہزادے پر آیا اور فوراً طائرِ مرغِ روح قفسِ عنصری سے بجانب روضۂ قدس پرواز کر گیا مغل شاہزادے کے بہت سے ساتھیوں کو قید کر کے اور جو کچھ سامان ہاتھ لگا اُسے لے کر سپاہ ہند کے اجماع کے خوف سے بھاگ گئے۔ امیر خسرو رح بھی اِس لڑائی میں شاہزادے کے ساتھ موجود تھے انہیں ایک مغل کے نوکر نے قید کر لیا اور جھول اور توبرا اُن کے سر پر رکھوایا امیر خسرو رح نے اِس مضمون کو نظم کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

منکہ بر سر نے نہادم گل	توبرہ بر نہاد و گفت اجل

مغل امیر خسرو کو قید کر کے ہرات و بلخ لے گئے جہاں سے دو برس بعد رہائی حاصل ہوئی اور اُفتاں و خیزاں پٹیالی پہنچے۔ ماں اُس وقت زندہ موجود تھیں اُنکا بیٹے کے فراق میں بُرا حال تھا۔ بیٹے کی صورت دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں امیر خسرو لکھتے ہیں۔ زیر قدم مادر بہشتی شدم و ما از خود حالی کہ چشمہا بر من انفاد جوے شیر از اشتیاق رواں شد ؎

بہشت زیر قدمہاے مادر است مدام	دو جوے شیر از و بیں رواں نشان بہشت

چند روز پٹیالی میں قیام کر کے امیر خسرو رح دہلی پہنچے۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے وہ دو پُر درد قصیدے جو شاہزادے کے مرثیے میں لکھے تھے اِس رِقت سے پڑھے کہ تمام دربار میں سناٹا چھا گیا اور ہر کس و ناکس دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ سلطان غیاث الدین اس قدر رویا کہ بخار آ گیا اور ایسا بخار آیا کہ اسی صدمہ اور بخار سے تیسرے ہی دن انتقال کیا۔ مہینوں دہلی کے لوگ اِن مرثیوں کو

رات دن پڑھتے اور اپنے عزیزوں کی یاد میں جو اِس لڑائی میں شہید ہوئے تھے روتے رہتے۔ یہ پُردرد مرثیے دیوان غرۃ الکمال میں موجود ہیں اور منتخب التواریخ بداونی میں بھی نقل کئے گئے ہیں۔ ایک ترکیب بند کے چند شعر یہ ہیں ؎

واقعہ ہست ایں یا بلا از آسماں آمد پدید
آفت است ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید

راہ در بنیادِ عالم داد سیلِ فتنہ را
رخنہ کاسال در ہندوستاں آمد پدید

مجلسِ یاراں پریشاں شد چو برگِ گل ز باد
برگ ریزی گوئی اندر گلستاں آمد پدید

بسکہ آبِ چشمِ خلقے شد رواں در چار سوے
پنج آب دیگر اندر مولتاں آمد پدید

خواستم ماتم آتشِ دل بر زباں آرم سخن
صد زبانِ آتشینم در دہاں آمد پدید

امیر حسن رح نے بھی اِس حادثۂ جانکاہ کا ایک مرثیہ نثر میں لکھ کر ملتان سے دہلی بھیجا تھا جو کتاب منتخب التواریخ میں درج ہے۔

اِس کے بعد امیر علی سرجامدار نے جو سلطان غیاث الدین بلبن کا موسلے زادہ اور امرائے عظیم الشان سے تھا اور قابلیت و علمیت کے ساتھ بذل و کرم حسن اخلاق اور دیگر صفات حمیدہ سے موصوف اور بوجہ اپنی سخاوت کے عام و خاص میں حاتم خاں کے نام سے مشہور تھا امیر خسرو رح کو نہایت اعزاز و اکرام سے اپنی ملازمت میں لے کر مصاحبت میں رکھا۔ امیر خسرو رح نے اپنے دیوان میں امیر موصوف کی بہت تعریف و توصیف کی ہے اور اسپ نامہ اِسی کے نام پر لکھا ہے جس کی دو تین بیتیں یہ ہیں ؎

شاہ عہد اختیار دولت و دیں
آفتابِ شرف بہ خانۂ زیں

ہم علی نام ہم بہ شیر ولی
شیرِ دُلدُل سوار ہمچو علی

عالمے چوں عنان بجنبانی
لیبِ تازیانہ بستانی

ؔ منتخب التواریخ۔ فرشتہ۔ خزانۂ عامرہ وغیرہ ۱۲

سلطان معز الدینؒ کیقباد نے اپنے باپ بغراخان ناصر الدین کی ملاقات کے

سلطان معز الدین کیقباد ناصر الدین بغراخان کا بیٹا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا بعد وفات غیاث الدین بلبن کے امراء اور اعیان سلطنت نے اُس کی وصیت کے خلاف بجائے شاہزادہ کیخسرو پسر محمد سلطان ولیعہد سلطنت کے اِس کو اٹھارہ برس کی عمر میں تخت نشین کیا۔ اِس نے تخت نشین ہو کر عیش و عشرت پر کمر باندھی اور خلاف عہد سلطان غیاث الدین بھانڈوں اور مسخروں اور ارباب نشاط کا جمگھٹ دربار میں ہونے لگا جب امورات سلطنت سے بادشاہ نے لاپرواہی اختیار کی تو ملک نظام الدین وزیر کو اپنی بادشاہی کی سوجھی اور اُس کے جوڑ توڑ میں مصروف ہوا اوّل بادشاہ کو بہکا کر شاہزادہ کیخسرو کو قتل کروا ڈالا اس کے بعد شاہی خاندان کے دوسرے شاہزادوں اور دیگر امرائے کے استیصال میں مصروف ہوا۔ جب کیقباد کے باپ بغراخان ناصر الدین نے جو بنگالے کا صوبہ دار تھا دربار کا یہ حال سنا تو بیٹے کو نصیحت آمیز خطوط تحریر کئے مگر کیقباد نے غرور جوانی اور عیش و عشرت میں باپ کی ایک بھی نہ سُنی۔ مجبور ہو کر ناصر الدین بغراخاں لکھنوتی (صدر مقام بنگالہ) سے مع فوج کے دہلی روانہ ہوا ادھر سے بادشاہ بھی فوج لے کر باپ سے لڑنے کو دہلی سے روانہ ہوا دریائے سرو کے کنارے دونوں لشکر اکٹھے ہوئے اُس وقت غیاث الدین بلبن کے عہد کے امرا نے درمیان میں پڑ کر باپ بیٹے میں صلح کرا دی اور دونوں ایک دوسرے سے ملے۔ اخیر ملاقات میں باپ نے بیٹے کو طرح طرح کی نصیحتیں کیں اور وہاں سے رخصت ہو کر لکھنوتی کو واپس گیا بادشاہ دو چار دن باپ کی نصیحتوں کا پابند رہا لیکن خوب صورت معشوقوں اور پری وش مطربوں نے طرح طرح کے کرشموں سے بادشاہ کی توبہ کے ہزاروں ٹکڑے کر ڈالے اور وہ پھر اُسی لہو و لعب میں مشغول ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۸۸ھ (۱۲۸۸ء) یا ۶۸۹ھ (۱۲۸۹ء) میں اِس کو فالج کا عارضہ ہو گیا اِس سبب سے بعض امراء نے اِس کے بیٹے کیومرث کو شمس الدین کے نام سے تخت پر بٹھایا مگر امرائے خلج نے مخالفت کر کے کیومرث اور کیقباد دونوں کا کام تمام کر دیا اور اسی کے ساتھ ترکوں کی سلطنت کا جو خاندان غور کے غلام ہونے کی وجہ سے خاندان غلاماں کے نام سے موسوم ہے خاتمہ ہو گیا اور امرائے خلجی۔ نے ملک جلال الدین خلجی کو تخت نشین کیا +

بعد امیر علی جامدار کو اودھ کی صوبہ داری پر مقرر فرمایا امیر خسرو رح بھی امیر علی کے ہمراہ شاہی لشکر میں موجود تھے یہ بھی اُن کے ہمراہ اودھ گئے اور دو برس تک وہاں مقیم رہے امیر خسرو رح کی والدہ اور گھر کے سب لوگ دہلی میں تھے۔ جب آپکو دہلی سے گئے ہوئے دو برس کا عرصہ گذر گیا مادر مشفقہ نے شفقتِ مادری سے بیتاب ہو کر کئی خط آپکی طلبی میں روانہ کئے سچ تو یہ ہے کہ احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اُس کے اثر سے بچنا ناممکن ہے امیر علی کی بے انتہا عنایت اور احسان نے امیر خسرو رح کے دل پر ایسا اثر پیدا کیا تھا کہ حرفِ رخصت زبان پر نہ لاسکتے تھے۔ جب ماں کے کئی خط آئے اور محبت مادری کی کشش تقاضا طبیعی نے ان کے دل پر بے انتہا اثر پیدا کیا اُس وقت ایک دن رُکتے رُکتے امیر علی سے یہ حال بیان کیا۔ اِس دریادل نے دو کشتی زر و جواہر عطا فرما کر نہایت اعزاز و اکرام سے انہیں دہلی روانہ کیا امیر خسرو رح نے ایک مہینے میں اودھ سے دہلی کا رستہ طے کیا اور ماہ ذیقعدہ ۶۸۶ھ میں دہلی پہنچ کر اپنی مادر مشفقہ کی قدمبوسی اور دیگر احباب کی ملاقات سے خرسندی حاصل کی ✤

امیر خسرو رح کے آتے ہی تمام شہر دہلی میں دھوم مچ گئی۔ دوستانہ جلسے اور شعر و سخن کے چرچے شروع ہوگئے۔ دوسرے ہی دن دربار کیقبادی میں ان کے تشریف لانے کا مذکور ہوا بادشاہ نے فوراً چوب دار کو دوڑایا اُنھوں نے حاضر ہو کر قصیدہ بادشاہ کی مدح میں سنایا۔ بادشاہ نے اِس کے صلے میں خلعت اور اور دو ہزار دینار مرحمت فرمائے اور روزانہ مقرر کردیا۔ امیر خسرو رح نے جو قصیدہ اِس موقعہ پر سنایا تھا اُس میں اکیس شعر ہیں اور ہر شعر سے کمالِ شاعری اور بلند خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

منت ایزد را کہ شہ بر تختِ سلطانی نشست — در دماغ مملکت بادِ سلیمانی نشست
شہ معز الدین والدنیا کہ از دیوانِ غیب — نام او بر نامہ دولت بہ عنوانی نشست

کیقباد آں گوہر تاج کیاں کز حسام تیغ	تاج شاہان بستد و بر تخت تورانی نشست
ابر نیساں کز کرم آوازہ در عالم فگند	آں ہمہ آوازہ ہائے ابر نیسانی نشست
دید قصر شاہ را با برج جوزا ہم کمر	بندہ خسرو چوں عطارد در ثنا خوانی نشست
چشم تو بیدار و دولت باد تا از عون بخت	جملہ بیداران بخسپند و تو بتوانی نشست

معزالدین کیقباد نے امیر خسرو رح سے فرمایا کہ اے ختم سخن پروراں میرے اور پدر مہرباں کی ملاقات کے واقعات کو اپنی معجز بیانی سے پیکر نظم کے قالب میں ڈھال کر کلمات سحر آمیز سے حیات جاوید کا لباس پہنا۔ امیر خسرو رح نے چھ مہینے کے عرصہ یعنی رمضان ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) میں اس قالب بے جان کو اپنے سحر شاعری سے نظم کی روح پھونک کر پری پیکر بنایا اور قران السعدین کے خوشنما لقب قابل مرحبا نام سے موسوم کیا +

۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) یا ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) میں آفتاب اقبال کیقبادی غروب ہو کر دربار فیروزی (جلال الدین[1] فیروز شاہ خلجی) کا ستارہ طلوع ہوا۔ جلال الدین فیروز شاہ اس سے پہلے میر جامداری

[1] جلال الدین فیروز شاہ کا اصلی نام ملک فیروز اور شایستہ خاں خطاب تھا۔ ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) میں ستر برس کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ یہ بادشاہ حلیم و کریم اور طبع موزوں رکھتا تھا اور صفت قدر شناسی اور راستی اور عدل و انصاف سے موصوف تھا۔ اس نے اپنے تمام ایام سلطنت میں (سوائے وقوعہ سیدمولیٰ) کبھی مور ضعیف کو بھی نہیں ستایا جن لوگوں نے اس کے عہد میں بغاوت کی اور اس کے سامنے گرفتار ہو کر آئے انہیں بھی باوجود امرائے سلطنت کی بے حد مخالفت کے کوئی ضرر نہیں پہنچایا اور ان سے نہایت اخلاق و تواضع سے پیش آیا۔ بہت سے علماء فضلا اور دیگر صاحب کمال اس کے انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ اس کے بھتیجے اور داماد علاء الدین نے جو کڑہ کا حاکم تھا اس کے بغیر اجازت نہایت دور دراز مسافت طے کر کے دکن میں دیوگڑھ (دولت آباد) پر چھاپا جا مارا اور جب وہاں سے بہت سا قیمتی مال لے کر واپس آیا تو بادشاہی کی ہوس پیدا ہوئی اور بادشاہ

کے معزز عہدہ پر مامور تھا اور اُسی وقت سے امیر خسرو رح کی مصاحبت کا فخر اُسے حاصل تھا۔ جب اقبال نے یاوری کی اور میر جامداری سے بساطِ شاہی پر قدم رکھا امیر خسرو رح کو نوازشاتِ شاہی سے ممنون فرما کر اپنے تمام مقربوں کا سردار کیا اور شغل مصحف داری اور منصبِ امارت کا اختصاص بخشا اور بارہ سو ٹنکہ[1] انکی تنخواہ مقرر فرمائی۔

امیر خسرو رح کو بادشاہ کے بیٹے اختیار الدین خانخاناں سے بہت محبت تھی اُس کی وفات سے اُنہیں بہت قلق ہوا اور اُنہوں نے اُس کا یہ پُردرد مرثیہ لکھا ہے ؎

کو دھوکا دے کر کڑہ بلایا ملک احمد چپ نے جو بڑا عقلمند اور تجربہ کار اور خیر خواہ وزیر تھا۔ بادشاہ کو ہر چند سمجھایا مگر بادشاہ کچھ نہ سمجھا اور یہی کہتا رہا کہ علاؤالدین میرا ہی نمک پروردہ ہے اور میں نے ہی اُس کو اِس مرتبہ پر پہنچایا ہے وہ میرے ساتھ کبھی بُرائی نہیں کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷۔ رمضان ۶۹۵ھ (۱۲۹۵ء) کو علاؤالدین نے اپنے ولی نعمت اور چچا جلال الدین کو نہایت دھوکے اور کمینہ پن سے قتل کرا دیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ جو جو شخص قتل بادشاہ جلال الدین میں شریک تھے وہ تھوڑے ہی عرصے میں بلائے عظیم میں مبتلا ہو کر جہنّم کو سدھارے ازانجملہ محمود سالم (قاتل جلال الدین) کو ایک سال کے بعد جذام ہو گیا اور خون فاسد سے اُس کے بدن کا تمام گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اختیار الدین دیوانہ ہو گیا اور حالتِ نزع میں چلاتا تھا کہ سلطان جلال الدین تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے میرا سر کاٹ رہا ہے۔ اسی طرح اور لوگ بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہوئے ؎

[1] اُس وقت میں ٹنکہ ایک تولہ سونا یا چاندی کا مسکوک ہوتا تھا اور ہر ٹنکہ چاندی کے پچاس پیسہ تانبے کے ہوتے تھے جن کو جیتل کہتے تھے۔ جیتل کا وزن ایک تولہ یا پونے دو تولہ کا ہوتا تھا ؎

چہ روز است اینکہ من خورشید تابان را نمے بینم وگر شب شد چرا ماہِ درخشاں را نمی بینم
دو روزے ہست کاندر ابر ماندہ آفتابِ من کہ اندر چشمہا جز ابر و باراں را نمی بینم
ہندوستاں خطائے گشت پیدا و بہر سوئے ہمے بینم ہزاراں چین و خاقاں را نمی بینم
نگین خاتمِ شاہی بکانِ سنگ پنہاں شد دلم چوں لعل خوں شد زاں سبب کاں را نمی بینم
شد اینک بر سرِ تخت و بزرگاں صف زدہ ہر سو ہمہ ہستند لیکن خانخاناں را نمی بینم
چو دولت کور دیدم گفتمش خواہی بسر او فتاد چہ خواہم کرد چوں محمود سلطاں را نمی بینم

منقول ہے کہ سلطان جلال الدین نے اپنے عہد سلطنت میں کئی مرتبہ حضرت سلطان الشائخ رح سے خانقاہ معلے میں حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے ہر مرتبہ بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھا اور اجازت نہ دی۔ ایک دن بادشاہ نے امیر خسرو رح سے بیان کیا کہ حضرت تو اجازت حاضری کی نہیں دیتے اور مجھے حصول قدمبوسی کا از حد اشتیاق ہے میرا ارادہ ہے کہ بلا اجازت خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کروں۔ اس کے بعد ان کو منع کر دیا کہ اس راز کو حضرت سے نہ بیان کرنا۔ اب امیر خسرو رح سخت پریشان ہوئے کیونکہ اگر بادشاہ کا راز حضرت سے بیان کرتے ہیں تو جان کا خوف ہے اور اگر نہیں بیان کرتے ہیں تو حضرت کی ناراضگی کا خیال ہے آخر کار انہوں نے جان پر کھیل کر یہ راز حضرت سلطان المشائخ رح سے بیان کر دیا۔ آپ اسی وقت اجودھن (پاک پٹن) اپنے پیر حضرت فریدالدین شکر گنج قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ صبح کو بادشاہ کو یہ حال معلوم ہوا۔ قیافہ سے معلوم کیا کہ امیر خسرو رح نے راز افشا کر دیا اور اسی وجہ سے حضرت کنارہ کر گئے۔ انہیں بلا کر دریافت کیا انہوں نے سچ سچ حال بیان کر دیا اور کہا کہ اے بادشاہ تیری ناراضگی میں صرف جان کا خوف ہے اور حضرت کی ناراضگی میں سلبِ ایمان کا خوف تھا اس وجہ سے

ہیں نے جان پر ایمان کو ترجیح دے کر حضرت پر یہ حال ظاہر کردیا۔ دانا بادشاہ نے یہ برجستہ جواب سنکر خاموشی اختیار کی ؛

امیر خسرو رح نے جلال الدین خلجی کی مدح میں کئی قصیدے لکھے ہیں جو انکے دیوان میں موجود ہیں اِس مقام پر صرف اُن کے مطلع پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مطلع قصیدہ اوّل

سپیدہ دم کہ فلک جام زر بہ گیہاں داد ‖ نسیم عالیہ در دامنِ گلستاں داد

مطلع قصیدہ دوم

سپیدہ دم چو ہوا گشت بوستاں فرسو ‖ بساطِ خاک زدیبا و پرنیاں فرسود

مطلع قصیدہ سوم

شیریں دہانِ یار کہ راحت بجاں دہد ‖ آبِ حیات ازاں لبِ شکّر فشاں دہد

مطلع قصیدہ چہارم

چو زلفِ یار شکن بر شکن ہمے پیچد ‖ دو صد ہزار دلِ مردوزن ہمے پیچید

وقوعہ سید مولے

سلطان جلال الدین کے عہد کا ایک عجیب وغریب واقعہ قتل سیّد مولے کا ہے۔ اگرچہ ہماری کتاب کو اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر چونکہ یہ قصہ نہایت دلچسپ۔ حیرت انگیز اور افسوسناک ہے لہذا غالباً بے موقع نہ خیال کیا جائے گا۔

سیّد مولی ایک صاحبِ کمال اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ جرجان ان کا اصلی وطن تھا۔ انھوں نے مدّتوں جرجان سے مغرب کی طرف مسافرت کی اور خدا پرستانِ حقیقت کیش سے صورت و معنی کا فیض پاکر اور خدا شناسی کی آنکھیں روشن کرکے اپنے وطن کی طرف مراجعت فرمائی۔ اِس کے چند روز بعد قطب الاولیا حضرت مخدوم فریدالدین شکر گنج رح کی زیارت کے شوق میں ہندوستان تشریف لائے اور اجودھن میں جواب پاک پٹن کے نام سے مشہور ہے آپ سے ملاقات کی اور مدت تک آپ کی صحبت میں رہ کر فیض معنوی حاصل کیا۔ بعد ازاں آپ سے دہلی کی سیر کی اجازت حاصل کی۔ رخصت کے وقت حضرت قطب الاولیا رح نے اِن سے فرمایا کہ ایک نصیحت یاد رکھنا کہ ملوک اور اُمراے اور مقربانِ شاہی کے ساتھ اختلاط نہ کرنا اور اُن کی آشنائی سے محترز رہنا کس واسطے کہ مصاحبت اور اختلاط اِس جماعت کا ہم فقیروں کو سبب ہلاکت کا ہے۔ غرض سیّد مولی اجودھن سے روانہ ہو کر سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں دہلی آئے اور وہاں ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کراکر فقرا اور مساکین کی دعوت و ضیافت میں مصروف ہوئے۔ جتنے درویش اور مسافر ان کی خانقاہ میں آتے تھے اُن میں سے کوئی محروم نہ جاتا تھا۔ اگرچہ آپ نماز پانچوں وقت کی ادا فرماتے تھے مگر جمعہ میں حاضر نہ ہوتے تھے اور جماعت کے اچھی طرح پابند نہ تھے۔ لیکن مجاہدہ اور ریاضت بہت فرماتے تھے اور نفس کشی کا یہ عالم تھا کہ سوائے ایک چادر کے اور کچھ نہ رکھتے تھے نہ کوئی عورت یا خادمہ آپ کے پاس رہتی تھی۔ کسی سے کچھ لیتے نہ تھے اور اِس قدر خرچ کرتے تھے کہ لوگ محو حیرت ہو کر خیال کرتے تھے کہ کیمیا کے صاحب کمال ماہر ہیں۔ بادشاہ غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد عہد کیقبادی میں کہ زمانہ غفلت اور بے خبری کا تھا۔

آپ کے ایثار و نثار کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ بڑے بڑے امراء اور خوانین نوشیان دونوں وقت خانقاہ میں حاضر ہو کر ایسے طعامِ لذیذ نوش فرماتے تھے کہ سلاطین روزگار کو بھی میسّر نہ ہوتے تھے اِس کے علاوہ کسی کسی کو دو دو تین تین ہزار تنکہ سونے کے انعام میں بھی مل جاتے تھے۔ ہزار من میدہ اور پانچ سو من گوشت اور دو سو من مصری اور دو سو من شکر اور کئی من گھی خانقاہ کے باورچی خانہ میں روزانہ صرف ہوتا تھا۔ سیدی مولی کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی شخص کو کچھ عطا فرمانا چاہتے یا قیمت ان اشیاء کی جو روزانہ خریدی جاتی تھیں دینے کا ارادہ کرتے تو کہتے کہ فلاں بوریئے یا فلاں پتھر یا فلاں اینٹ کو اٹھاؤ اسکے نیچے اس قدر تنکہ نقرئی یا طلائی ہیں تم انہیں لے لو۔ جب وہ چیز اٹھائی جاتی ارشاد کے بموجب اس کے نیچے سے برآمد ہوتا تھا۔ اور سکّے ایسے نئے نکلتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اِسی وقت ٹکسال سے بنکر آئے ہیں۔ جب خلجیوں کا زمانہ شروع ہوا اور ملک الامرا فخرالدین کوتوال نے جو عہد غیاث الدین بلبن کا بڑا امیر اور بذل و کرم حسنِ اخلاق اور برگزیدہ اوصاف میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا وفات پائی اور اس کے متوسلین و خوانین اور بارہ ہزار حافظ قرآن کہ اس کے ملازم اور ہر روز ہزار مرتبہ قرآن شریف ختم کرتے تھے اور اسیقدر سپاہی اور دیگر ملازم بے روزگاری سے پریشان ہوئے یہ سب بھی سیدی مولے کی خانقاہ میں حاضر ہونے لگے خانخانان سلطان جلال الدین کا بڑا بیٹا بھی سید بزرگ کے فضائل اور کرامات دیکھ کر بہت معتقد ہو گیا اور اکثر اوقات خدمتِ عالی میں حاضر رہنے لگا اور دیگر امراء اور مقربانِ شاہی بھی شب و روز سید موصوف کی خانقاہ میں حاضر ہو کر نعمت ہائے گوناگوں کہ انہیں اپنے دسترخوان پر میسر نہ ہوتی تھی مہیا پاتے اور ان کے اشارے سے طاقوں اور اینٹوں اور

چھپروں کے نیچے سے سونے اور چاندی کے تنکے حاصل کرکے عیش و عشرت میں بسر کرتے تھے نوبت یہاں تک پہنچی کہ قاضی جلال الدین کاشانی نے جو مرد فتنہ انگیز اور مصاحبانِ شاہی سے تھا سید مولی کو سلطنت کی ترغیب اور تحریص دینی شروع کی اور سمجھایا کہ قادر مطلق نے آپ کو اس قدر قدرت محض اِس غرض سے عطا فرمائی ہے کہ سلطنت اسلامیہ کو ظالموں کے ہاتھ سے نکالئے اور شریعت رسول اللہ کی پیروی کرکے مخلوقِ خدا کو عدل و انصاف کے مہد امن و امان میں رکھئے اگر آپ اِس میں تساہل کرینگے تو فردائے قیامت کیا جواب دینگے۔ سید مولی نے لوازمِ بشریت سے جو ہر بشر کے ساتھ لاحق ہیں اور قاضی جلال الدین کی چرب زبانی سے دھوکا کھایا اور ہر ایک مرید کو خطاب اور منصب دینا شروع کیا اسی عرصے میں چند مریدوں نے کمر ہمت باندھ کر ارادہ کیا کہ بادشاہ کا کسی موقع پر کام تمام کرکے سید مولی کو تخت پر بٹھا دیں۔ مگر یہ راز قبل از وقت افشا ہو گیا۔ سلطان جلال الدین خلجی نے سید مولی کو مع قاضی جلال الدین کاشانی اور دیگر معتقدین کے دربار میں طلب کیا۔ اور حقیقت حال استفسار فرمائی۔ سب بالاتفاق منکر ہوئے اور کہا کہ ہم اِس امر سے مطلق آگاہ نہیں ہیں جب اِن کا انکار حد سے گذرا تو بادشاہ نے اِن کی راست گوئی کے امتحان کیواسطے صرائے بہادر پور میں ایک مقام پر آگ جلوا کر حکم دیا کہ یہ لوگ آگ میں سے گذریں تاکہ اِن کا جھوٹ اور سچ ظاہر ہو جسوقت سید مولی نے بہ آواز بلند کلمہ شہادت پڑھا اور آگ میں داخل ہونا چاہا۔ بادشاہ کو رحم آیا اور علماء سے فتوے طلب کیا کسی نے فتوے نہ دیا اور بالاتفاق عرض کیا کہ یہ فعل شریعت میں کسی طرح جائز نہیں ہے۔ آگ بالطبع جلانے والی ہے راست گو اور دروغ گو کو یکساں جلادے گی۔ علماء کی اِس راست گوئی کے باعث بادشاہ اِس ارادے سے باز آیا اور اُسی وقت قاضی جلال الدین کو تو دہلی سے بدایوں تبدیل کردیا اور دیگر اشخاص کو جو متہم ہوئے تھے دار السلطنت سے نکلوا دیا اور سید مولی

سے طرح طرح کے سوالات دریافت کرنا شروع کئے جن کے جواب بھی معقول پائے جب کسی طرح کا الزام شرعی اُن پر ثابت نہیں ہوا تو بھی اُن کے وجود کو موجب خلل سلطنت تصور کر کے شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو جو حیدری فقیروں کا سردار تھا کوشک کے قریب بلایا اور کہا کہ اے درویشو انصاف کرو کہ اِس مرد نے میرے حق میں کس قسم کا ظلم کیا ہے اور کس قسم کا خلل پہنچانا چاہا ہے یہ سن کر سنجری نام ایک قلندر بیباک نے سید مولیٰ کے تن نازنین کو اُسترے سے مجروح کیا اور سوئیاں چبھوئیں۔ سید مولیٰ چلائے اور کہا کہ مجھے جلد اپنے مبداء پر پہونچاؤ میں اپنے قتل ہونے سے آزردہ نہیں ہوں بلکہ خوش ہوں لیکن یقین رکھنا کہ آزار طائفہ درویشاں شوم ہے میمنت نہیں رکھتا۔ عنقریب اِس کی مکافات ملے گی۔ بادشاہ سید موصوف کے قتل میں متردد اور متفکر ہی تھا کہ اُس کے منجھلے بیٹے ارکلی خاں نے جو اپنے بڑے بھائی خانخاناں کی عداوت کی وجہ سے ان سید بزرگ سے بھی عداوت رکھتا تھا کوٹھے پر سے فیلبان کیطرف اشارہ کیا۔ جس نے فوراً مست ہاتھی چھوڑ کر سید مولیٰ کو شہید کرا دیا۔ ضیاء الدین برنی صاحبِ تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ میں اُس روز دہلی میں تھا مجھے خوب یاد ہے کہ سید مولیٰ کے قتل کے بعد ایسی سیاہ آندھی اُٹھی کہ جہان تاریک ہو گیا اور تھوڑی دیر تک یہ نوبت رہی کہ کوئی کسی کو نہ دیکھ سکتا تھا اور اُسی سال یعنی ۶۹۰ھ ۱۲۹۱ء میں دہلی اور اُس کے قرب و جوار میں بارش کی کمی کی وجہ سے ایسا قحط پڑا کہ عوام الناس نے بھوکوں کے مارے جمنا میں گر گر کر جان دی اور اِس واقعہ کے بعد ادبار دو اسپہ جلال الدین خلجی کی سلطنت پر تاخت لایا اور روز بروز فتنۂ نامرضیہ پیش آنے لگے اور اُس کی شاہی میں رونق باقی نہ رہی۔ مشہور ہے کہ سید مولیٰ اس حادثہ کے دو برس پہلے سے یہ رباعی اکثر پڑھا کرتے تھے[1] رباعی

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فرشتہ۔ منتخب التواریخ وغیرہ۔

در مطبخ عشق جز نکو را نہ کشند	لاغر صفتان زشت خو را نہ کشند
گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز	مردار بود ہر آنکہ او را نہ کشند

سات برس اور چھ مہینے کے بعد جلال الدین فیروز شاہ کی بہار سلطنت بھی خزاں کی نحوست سے تباہ و برباد ہوئی اور ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء سے سلطان علاؤ الدین خلجی[1] کا دورہ شروع ہوا۔ یہ بادشاہ سلطنت سے پہلے تو الف کے نام بے بھی نہ جانتا تھا لیکن تخت نشین ہو کر کچھ حروف شناس ہو گیا تھا مگر اس کو اپنی علمی لیاقت پر ایسا

[1] علاؤ الدین خلجی۔ اپنے چچا جلال الدین خلجی اور اس کے بیٹوں اور بہت سے امیروں کو قتل و برباد کر کے تخت نشین ہوا۔ اول اول تالیف قلوب کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور بے شمار زر و جواہر لٹا کر خاص و عام کو مالا مال کیا جب خوب تسلط جم گیا اور کوئی دعویدار سلطنت کا باقی نہ رہا تو نہایت تشدد سے جس قدر انعام و اکرام میں خزانہ لٹایا تھا۔ سب واپس کر لیا۔ اس بادشاہ نے بیس برس اور کئی مہینے نہایت شان و شوکت کے ساتھ سلطنت کی اور باوجود اس کے کہ پڑھا لکھا نہ تھا مگر کمال فراست سے اپنے کل ایام سلطنت میں نہ کسی کو کبھی ایسا بڑھایا کہ وہ اپنے آپے میں نہ رہتا نہ کسی کی خدمات ذاتی کو فروگذاشت کیا۔ قانون داغ اور بہت سے نئے قانون اپنی طبیعت سے ایسے نکالے کہ جو آج تک اس کی مدبرانہ لیاقت اور عالی دماغی کو ثابت کرتے ہیں۔ غلہ۔ کپڑا۔ گھوڑے غرضکہ اعلےٰ چیز سے لے کر ادنےٰ چیز تک سب کا نرخ ایسا سستا مقرر کر دیا تھا کہ خاص و عام کو اس سے بہت بڑی آسائش ہوئی اور ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ کسی کو مقدور نہ تھا کہ شاہی مقرر شدہ نرخ سے کم و بیش خرید و فروخت کر سکے ان سب حالات اور انتظامات کی تفصیل تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی میں موجود ہے۔ دکن اور دیگر ممالک میں اس کو اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں کہ عوام کو اس کی کرامت کا گمان پیدا ہوا بعضے جادو کا خیال کرنے لگے اور بعضوں کو یقین تھا کہ یہ سب برکت حضرت سلطان المشائخ کی توجہ کی وجہ سے ہے۔ آخر ایام سلطنت میں جبکہ بادشاہ بیمار ہوا اس کے منظور نظر غلام ملک کافور کو جس نے دکن کی لڑائیوں میں بڑا نام پایا تھا اس کے مزاج میں ایسا دخل پیدا ہوا کہ اس کو سلطنت

گھمنڈ تھا کہ کسی عالم کو اپنے روبرو کچھ نہ جانتا تھا کسی فاضل کا مقدور نہ تھا کہ آس کے آگے زبان ہلا سکے۔ آغازِ سلطنت میں پیغمبری کی سوجھی جب یہ بات بن نہ پڑی تو سکندری کی لو لگی باوجود اس کے امیر خسرو رح کی بہت وقعت کرتا تھا اس نے اپنے عہد میں ایک ہزار تنکہ ان کی تنخواہ مقرر کی تھی؛

امیر خسرو رح کی تصنیف و تالیف کا زیادہ حصہ اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ جس کی تصریح کسی دوسرے مقام پر کی جاوے گی۔ امیر خسرو رح کی حق گوئی پر ہزار آفریں ہے کہ جہاں انہوں نے اس کی تعریف و توصیف میں بڑے بڑے عالیشان اور پرزور قصیدے لکھے ہیں وہاں اس جبار بادشاہ کو جس کے سامنے تمام عالموں کو محض اس خوف سے جاہل بننا پڑتا تھا کہ ان کی تحصیلِ علم بادشاہ کے تحصیلِ علم سے زیادہ نہ ظاہر ہو جاوے۔ بہت سی نصیحتیں بھی کی ہیں۔ ایک موقع پر بادشاہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ؎

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) کے خواب پریشان دکھائی دینے لگے اور اس نے بادشاہ کا دل خضر خاں اور شادی خاں اس کے دونوں بیٹوں سے ایسا پھیر دیا کہ اس کو ان کی جانب سے شک پیدا ہو گیا اور دونوں بھائیوں کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا اور ملک کافور کی صلاح سے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شہاب الدین کو جو بہت خورد سال تھا ولیعہد کیا اور اس کے بعد دوسرے تیسرے ہی دن ۶ شوال ۷۱۶ھ [۱۳۱۶ء] کو انتقال کیا۔ ملک کافور نے شہاب الدین کو تخت نشین کیا اور ایک امیر کو گوالیار کے قلعے میں بھیجکر خضر خان اور شادی خان کی آنکھیں نکلوا ڈالیں اور بادشاہ کے چوتھے بیٹے مبارک خاں کو قید کر کے اس کی آنکھیں نکلوانے کی فکر میں تھا کہ مبشر اور بشیر نامی دو سرداروں نے جو قصر ہزار ستون کے محافظ تھے اپنے ولی نعمت کے خاندان کی تباہی دیکھ کر اس مردود کا بھی کام تمام کر دیا۔ اور مبارک خان کو قید سے نکال کر تختِ سلطنت پر بٹھایا؛

چوں خدایت سریر شاہی داد — مملکت از ماہ تا بہ ماہی داد
گوش کاسودہ داری از شاہی — عالمے را ز ماہ تا ماہی
بر ستمکش ز عدل کم نہ کنی — بر ستمگار جز ستم نہ کنی
تا بن را بر افگنی ز گذر — خارکن را کنی نہال ز سر
چوں بہ پیلاں علف دہی حالی — از غم مور دل مکن خالی
عالم آسودہ کن بہ نعمت و جود — تا تو خوش باشی و خدا خوشنود
چوں بہ خاصاں دہی نوالہ و جام — کام شاں خوش کنی بہ نعمت و کام
یاد کن زاں گدائے بے توشہ — کہ شب افتد گرسنہ در گوشہ
کہ چو فردا شمار کار کند — اوّل از مفلساں شمار کند
پیل چوں مور را تبہ پا شود — پرسشش از سلیماں خواہد بود
تا توانی بہ داد و دیں گرائے — کہ بود ملک زیں دو پایہ بجائے
بندہ ور خوں کند چو امن چیست — دیت از پادشاہ بباید جست
گرچہ ور سدِ آہنی معصوم — مشو ایمن ز ناوکِ مظلوم
ور چہ کس نیست دشمن تن تو — غفلتِ تو بس است دشمن تو

شوال ۷۱۶ھ (۱۳۱۶ء) میں علاؤالدین خلجی کا اقبالِ سکندری پردہ ظلمات میں غروب ہوا۔ اور شہاب الدین عمر کی تین مہینے کی برائے نام سلطنت کے بعد محرم ۷۱۷ھ (۱۳۱۷ء) کو قطب[1] الدین مبارک شاہ تخت پر بیٹھا امیر خسرو رح نے مثنوی نہ سپہر اسی بادشاہ کے

[1] قطب الدین مبارک شاہ نے تخت نشین ہوکر اوّل اوّل تو اچھا انتظام کیا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں عیش و عشرت میں مبتلا ہوگیا اور ایک غلام حسن نامی پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اس کو خسرو خاں کا خطاب دے کر وزارت کا منصب عطا کیا۔ ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) میں قطب الدین کو توال کو گوالیار بھیج کر دعوے دارانِ سلطنت یعنی اپنے بھائیوں خضر خاں اور شادی خاں اور شہاب الدین خاں کو قتل کرا دیا۔

نام پر لکھی ہے جس کے صلے میں اس نے ہاتھی کے ہموزن[1] زر و جواہر ان کو عطا فرمایا تھا امیر خسرو اس مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں +

(سلطان قطب الدین کی زبان سے)

بنا سنج ہمچوں من اسکندرے	کند ہر کہ آرائشِ دفترے
ز گنجِ گراں مایہ بے شمار	وہم بار پیلش پئے پیل بار
مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل	کہ سید او زرہم ترازو سے فیل
شناسد خرو کش خرد رہنموں	کہ از پیل بار است دانش فزوں
چو میراث شد پیل زر دادنم	نہ زیباست زیں سہل بر دادنم

اس کے بعد فرماتے ہیں

شہا گنج بخشا کرم گسترا	معانی شناسا سخن پرورا
مرا عمر کز شصت بالا گذشت	ہمہ پیش شاہان والا گذشت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) رفتہ رفتہ خسرو خاں کا ایسا عروج ہوا کہ اسکو سلطنت کی ہوس پیدا ہوئی اور اس نے سلطنت کے عہدوں پر اپنی قوم کے آدمی بھرنا شروع کئے۔ اراکین سلطنت نے بادشاہ کو کئی بار سمجھایا مگر اس غفلت شعار بادشاہ نے جو خسرو خاں پر فریفتہ تھا ایک نہ سنی بلکہ الٹا ان اراکین سلطنت کے پیچھے پڑ گیا جنھوں نے خسرو خاں کی شکایتیں کی تھیں اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ شب پنجم ماہ ربیع الاول ۱۲۰ھ / ۱۳۲۱ء کو خسرو خاں نے بادشاہ کو قصر ہزار ستون میں قتل کر ڈالا اور راتوں رات جلالیوں اور سار اراکین سلطنت کو جن سے کچھ خوف تھا بادشاہ کے نام سے قصر ہزار ستون میں بلا کر قید کر لیا اور صبح کو اپنا خطاب ناصر الدین شاہ مقرر کر کے تخت نشین ہوا +

[1] منقول ہے کہ ایک بادشاہ نے ہاتھی کا اس طرح وزن کرایا تھا کہ ہاتھی کو ایک کشتی میں بٹھایا جس قدر کشتی ہاتھی کے وزن سے پانی میں ڈوبی اس مقام پر نشان بنا دیا اسکے بعد کشتی میں اس قدر اینٹ پتھر بھرے کہ اسی نشان تک پانی آ گیا۔ جب ان اینٹوں اور پتھروں کو وزن کرایا تو تین ہزار من پختہ شاہجہانی ہوا۔ اسی وزن پر اس صلہ کو قیاس کرنا چاہئے +

ز شاہاں کسے کاو قلم کرد یاد ۔۔۔ معزالدنیا بود شہ کیقباد

ازاں پس زفیروزہ چرخ بلند ۔۔۔ شدم پیشِ فیروز شہ ارجمند

ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم ۔۔۔ توانگر زِ گنج علائی شدم

شناکوش کہ اقبال ہمدم مرا ۔۔۔ نوازندہ شد قطب عالم مرا

چنیں بخششے کز تو جم یافتم ۔۔۔ در ایام پیشینہ کم یافتم

کنوں لابد از سحر سنجِ چو من ۔۔۔ بہ اندازہ بخشش آمد سخن

جرایدکزیں پیش پرداختم ۔۔۔ چوں ایں نامۂ خاص کم ساختم

سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چار پانچ مہینے تک خسرو خاں کی سلطنت رہی۔ اور ارکین سلطنت کو چار و ناچار اس کی اطاعت کرنا پڑی لیکن امیر خسرو رح نے اس پرآشوب زمانے میں دربار سلطنت سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھا۔ جب غازی الملک نے جو علاؤالدین خلجی کے عہد کا ایک نامی امیر اور دیپالپور کا حاکم تھا دربار کا یہ حال سنا تو اس کے دل میں غیرت اسلامی نے جوش مارا اور اپنے آقا کے خون کا بدلا لینے پر کمر باندھی اور دہلی کی طرف کوچ کیا اندپت کے میدان میں خسرو خاں سے لڑائی ہوئی جس میں خسرو خاں کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار ہو کر دوسرے دن غازی الملک کے سامنے لاکر قتل کیا گیا اور یکم شعبان ۷۲۱ھ / ۱۳۲۱ء کو سب امیروں کے اتفاق سے غازی الملک غیاث الدین[1] تغلق کے خطاب سے تخت نشین ہوا اس نے امیر خسرو رح کو اپنی مصاحبت میں

[1] غیاث الدین تغلق یہ بادشاہ عاقل اور سلیم الطبع اور رحیم تھا۔ نماز کا سخت پابند اور ہمیشہ باجماعت ادا کرتا تھا امورات سلطنت کو نہایت عدل و انصاف سے سرانجام دیتا تھا۔ خسرو خاں و قطب الدین کے عہد میں جو خرابیاں سلطنت میں پیدا ہو گئی تھیں انہیں اس نے اپنے حسن انتظام سے بہت جلد دور کیا ۷۲۴ھ / ۱۳۲۴ء میں بنگال کے صوبہ دار کی شکایت میں کچھ عرضیاں اس کے دربار میں

رکھا اور اِس قدر قدر افزائی کی کہ اِس سے پہلے کسی عہد میں نہیں ہوئی تھی۔ اِن کی سب سے آخری تصنیف تغلق نامہ ہے جو اِسی بادشاہ کے نام پر لکھا تھا۔

سنہ ۷۲۴ھ ۱۳۲۴ء میں غیاث الدین تغلق بنگالہ جاتے وقت امیر خسرو رح کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ واپسی کے وقت کسی خاص کام کے واسطے اِن کو لکھنوتی میں چھوڑ آیا تھا جہاں سے وہ اُس کی وفات کے بعد محمد شاہ تغلق کے عہد میں واپس آئے جس کا حال دوسرے مقام پر تحریر کیا جاوے گا۔

امیر خسرو رح نے غیاث الدین بلبن کے زمانہ سے محمد شاہ تغلق کے عہد تک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰ آئیں اُن کی تحقیقات کے واسطے بادشاہ خود لکھنوتی کو روانہ ہوا اور سنہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء میں وہاں سے واپس آیا۔ شاہزادہ الغ خاں (محمد تغلق) نے تغلق آباد سے تین کوس پر افغان پور میں ایک عالیشان چوبی محل تین دن میں طیار کرایا اور وہاں بادشاہ اور امراء کی ضیافت کا سامان مہیا کیا۔ بادشاہ جس وقت کھانے سے فارغ ہوا اور ہاتھ دھونے لگا۔ یکایک محل کی چھت گر پڑی اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مشہور ہے کہ اِس بادشاہ کو کسی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ سے خصومت ہو گئی تھی۔ چنانچہ اُس نے لکھنوتی سے واپس آتے وقت حضرت کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں دہلی آتا ہوں اب یا تو آپ ہی وہاں رہیں گے یا میں ہی رہونگا آپ نے اُس وقت ارشاد فرمایا کہ ہنوز دہلی دور است۔ اُسی دن سے یہ قول بطور ایک ضرب المثل کے آج تک مشہور چلا آتا ہے۔ منقول ہے کہ جب بادشاہ دہلی کے قریب آ پہنچا تو بعض مریدانِ جاں نثار نے حضرت سلطان المشائخ رح سے عرض کیا کہ بادشاہ اب دہلی میں آیا ہی چاہتا ہے حضرت چند روز کے واسطے مصلحتاً کسی دوسرے مقام پر تشریف لے چلیں آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر یہ قطعہ پڑھا۔

قطعہ

قصدِ ظالم بسوے کشتنِ ماست ۔ دلِ مظلومِ ما بسوے خداست

او دریں فکر تا بما چہ کند ۔ من دریں فکر تا خدا چہ کند

محیاتہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور سات بادشاہوں کی ملازمت اور مصاحبت کی۔ خاندان غلاماں کی باقبال سلطنت کا چراغ اُن کے سامنے گل ہوگیا اور خاندانِ خلجی کے آفتاب اقبال کے طلوع وغروب کو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مشہور مورخ سر الیٹ کی رائے ہے کہ خسرو ایسے زمانہ میں ہوا ہے کہ جب ہندوستان میں اخلاق کا خون ہو رہا تھا واقعی یہ رائے بہت صحیح ہے کیونکہ غور سے دیکھنے والوں کو ہندوستان کے صفحات تاریخ میں یہ دور بہت سیاہ و تاریک نظر آتا ہے اور اسی عہد کے مسلسل کشت وخون اور سازشوں اور طوائف الملوکی نے اکثر یوروپین مورخوں سے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کو قصاب کی دوکان کے نام سے موسوم کرایا ہے۔ اِس عہد کے مسلسل مختصر حالات صرف اِس غرض سے بیان کئے گئے ہیں کہ ناظرین کو امیر خسرو رح کے زمانہ کا مفصل حال معلوم ہو جاوے۔ اور نظر عبرت سے دیکھنے والوں کو دنیا میں مکافاتِ عمل سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنیکا موقع ملے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سرائے آفرینش سرسری نیست ۔ زمین و آسماں بے داوری نیست
وراندیش اے حکیم از کار ایام ۔ کہ پاداش عملہا شد سرانجام

کیقباد نے اپنے چچازاد بھائی کیخسرو کو بے قصور قتل کرایا دوسرے سال اُسے بھی یہی روز بد دیکھنا پڑا جلال الدین خلجی نے سید مولی کو شہید کرا کر اپنی نیک نام

---

[1] غیاث الدین بلبن۔ معز الدین کیقباد۔ کیومرث الملقب بہ شمس الدین (چند روزہ) جلال الدین فیروز شاہ خلجی۔ رکن الدین ابراہیم شاہ (چار ماہ) علاء الدین خلجی۔ شہاب الدین عمر تین ماہ۔ قطب الدین مبارک شاہ۔ ناصر الدین خسرو خاں۔ غیاث الدین تغلق شاہ۔ محمد تغلق ؎

[2] غیاث الدین بلبن کے عہد میں شاہزادہ محمد سلطان۔ معز الدین کیقباد۔ جلال الدین فیروز شاہ۔ علاؤ الدین خلجی۔ قطب الدین مبارک شاہ۔ غیاث الدین تغلق۔ محمد تغلق

سلطنت پر بدنما دھبہ لگایا لیکن تھوڑے دن بھی اطمینان سے سلطنت نہ کرنے پایا کہ خود بھی اُسی مصیبت میں گرفتار ہوا۔ علاؤالدین نے اپنے چچا سے جو افسوسناک برتاؤ کیا اُس کی سزا اُس کی اولاد کو ملی[1] کافور اپنی نمک حرامی سے فوراً ہی دنیا سے کافور ہو گیا۔ قطب الدین نے خضر خاں اور شادی خاں وغیرہ کے قتل سے اپنے ہاتھوں کو رنگا اُس کے شامتِ اعمال سے بہت جلد اُس کا خاتمہ بھی بدترین طریق سے ہوا۔ خسرو خاں کی نمک حرامی نے خسروی کی آرزو میں اپنی عزیز جان کو بھی کھویا۔ نیازی نے بلند پروازی سے دنیا کے مکافاتِ عمل کا کیا خوب خاکہ کھینچا ہے مثنوی

صبح چو خورشید علم برفراشت　　نقشِ دگر اخترِ عالم نگاشت
تافت چو بر سطحِ زمین و زماں　　فیض رساں گشت بہ بحر و بہ کاں
تا کہ ز اطوارِ قضا و قدر　　مورِ ضعیفے بہ یکے رہگذر
بود ز ناسازیِ نفسِ لئیم　　از پئے یک دانہ دراں رہ مقیم
سعی کناں ہر طرفے مے شتافت　　تا ز قضا دانۂ مقصود یافت
دانہ کش از رہ چو بروں پا نہاد　　چشم یکے مرغ بر او اوفتاد
حملہ بسید او براں مور کرد　　روز براں چوں شبِ دیجور کرد
کرد تقاضائے فرو بردنش　　برد چو منقار بہ خوں خوردنش
تا شدہ آں مور بہ حلقش فرو　　مرغِ دگر حملہ در آمد برو
کرد ورا بال بہ چنگال بند　　تا سرش از زکِ منقار کند
مرغکے از گرد دلِ مور ریش　　یافت ہماں لحظہ مکافاتِ خویش

[1] منقول ہے کہ جب علاؤالدین کے خاندان کی تباہی ہوئی تو ایک مجذوب صاحب کمال سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہوتا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ جو آگ علاؤالدین نے اپنے ولی نعمت چچا کے خاندان میں لگائی تھی وہ اُس کے خاندان کے آگے آئی بلفظہ۔

ناتوانی بہ کسے بد مسکن یند نیازی بشنوز نہار	نیک زی ور دشمنے خود مسکن تا نخوری خون ز بد روزگار

سلطنت کے اس پے در پے انقلاب اور متواتر تغیرات نے سیکڑوں شریف خاندانوں اور اہلِ فضل و کمال کو تباہ و برباد کر دیا کیونکہ ہر بادشاہ کی تباہی کے ساتھ ہی اُس کے اُمرا اور مصاحبین اور متعلقین پر بھی تباہی آنا ضروری بات تھی۔ امیر خسرو رح کی ہر دل عزیزی سلامت روی اور دانشمندی اور نیک نیتی وغیرہ کے اوصاف و خوبی کی اس سے زیادہ کیا سند پیش کی جا سکتی ہے کہ اس پُر آشوب زمانہ میں ہر بادشاہ کے عہد میں اُن کی قدر و منزلت بڑھتی ہی گئی اور انہوں نے باوجود اس کے کہ جاہ و جلال کے ایسے اوج کمال پر پہنچے کہ جہاں تک پہنچنا بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے لیکن نہایت دانشمندی سے کسی وقت میں امورات سلطنت میں دخل نہیں دیا نہ سلطنت کی کسی مالی و ملکی خدمت کا لینا پسند کیا اُن کی اس دانشمندانہ حکمتِ عملی کی جس قدر تعریف و توصیف کی جاوے کم ہے ؎

باب چہارم

وفات - مذہب - اخلاق و عادات اور اولاد -

(وفات)

• امیر خسرو رح جیسا کہ باب سوم میں لکھا گیا ہے ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) ہجری میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ لکھنوتی تشریف لے گئے تھے ہنوز وہاں سے واپس

ہونے پائے تھے کہ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء کو حضرت سلطان المشائخ رح نے وصال فرمایا جب لکھنوتی میں ان کو اس حادثۂ جانکاہ کا حال معلوم ہوا نہایت بے تاب ہو کر وہاں سے روانہ ہوئے اور بہ تعجیل تمام روتے پیٹتے دہلی پہنچے اور تمام سر کے بال کٹوا کر اور منہ سیاہ کر کے مزار مقدس حضرت سلطان المشائخ رح پر حاضر ہوئے اور دروازۂ خانقاہ پر پہنچ کر اول یہ شعر پڑھا ؎

ایں نگاریست کہ منزلگہ جاناں بودہ است	راہ آمد شد ایں سرو خراماں بودہ است

اس کے بعد اندر جا کر نہایت رقت سے فرمایا کہ سبحان اللہ آفتاب زیر زمین پنہاں ہوا اور خسرو زندہ رہے۔ اس کے بعد کشش عشق اور جذبۂ محبت کے جوش و خروش میں اپنا سر مزار مبارک پر دے مارا اور ہندی میں یہ شعر پڑھ کر بے ہوش ہو گئے ؎

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چوندیس

جب ہوش آیا کہا کہ اے مسلماناں من کدام کس باشم کہ برائے اینچنیں بادشاہے بگریم فاما برائے خود گریم کہ بعد از سلطان المشائخ رح مرا چنداں بقائے نخواہد بود۔

اس کے بعد اپنا کل مال و اسباب نقد و جنس فقرا اور مساکین پر تقسیم کیا۔ اور اس کا ثواب حضرت سلطان المشائخ رح کی روح کو پہنچایا اور کل امورات دنیوی سے دستکش ہو کر سیاہ کپڑے پہنے اور مزار شریف پر آ بیٹھے اور غم مفارقت پیر بزرگوار میں شب و روز مثل ماہی بے آب تڑپتے تھے ؎

چشمہائے عاشقاں را خواب نیست	یک زماں آں چشمہا بے آب نیست
خواب را با دیدۂ عاشق چہ کار	چشم او چوں شمع باید اشکبار

۱؎ سیر الاولیا۔ سفینۃ الاولیا۔ مونس الارواح۔ تذکرۃ الواصلین۔ جواہر زیبی۔ فرشتہ ؎

اسی رنج و الم میں چھ مہینے کے بعد بدھ کے دن ۱۸ شوال ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء کو انہوں نے بھی اس دارِ ناپائدار سے بجانب روضۂ قدس انتقال فرمایا اور پائین اپنے مرشدِ کامل کے یاران چبوترہ پر مدفون ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون رباعی

دریں سرائے فنا فکرِ سروری ہیچ است　　غمِ گدائی و فکرِ توانگری ہیچ است
بچشمِ عقل اگر بنگری جہاں خوابیست　　بخواب شادی و غم ہرچہ بنگری ہیچ است

(نکتہ) امیر خسرو رح نے مثنوی خضر خاں میں جس مقام پر حضرت سلطان المشائخ رح کا ذکر کیا ہے وہاں اپنی یہ تمنا بھی ظاہر کی تھی ؎

کلاہش را نیارم نام بسرم
زہے بخت ار تہ پایش بمیرم

چونکہ اُن کی یہ تمنا صمیم قلب سے تھی لہذا یہ بیت بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہوئی اور وہ اِس سعادت سے مشرف ہوئے۔

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ رح اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تیری زندگی میری بقا پر موقوف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ امیدوار ہوں کہ حضور کے قدموں پر مروں ✤

منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رح نے اکثر ارشاد فرمایا ہے کہ امیر خسرو رح میرے بعد زندہ نہ رہے گا۔ جب رحلت کرے میرے پہلو میں دفن کرنا کیونکہ وہ میرا صاحبِ اسرار ہے اور میں بغیر اس کے بہشت میں قدم نہ رکھونگا اور اگر دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا شریعت میں جائز ہوتا تو میں وصیت کرتا کہ اُسے میری قبر میں دفن کریں تاکہ ہم دونوں قبر میں بھی یک جا رہتے۔ سبحان اللہ کیا رتبہ

؎ تاریخ فرشتہ میں تاریخ رحلت ۱۸ ذیقعدہ ۷۲۵ھ روز پنجشنبہ ہے بعض تذکروں میں ۲۹ شوال شب جمعہ لکھی ہے لیکن تحقیقات سے ۱۸ شوال ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ہے ؂

منقول ہے کہ امیر خسرو رح جس وقت لکھنوتی سے دہلی واپس آکر مزارِ مبارک پر حاضر ہوئے۔ جوش وخروش اور حالت بیتابی میں چاہا کہ مزار سے جالپٹیں۔ ایک بزرگ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے اُنھوں نے اُن کو پکڑ لیا۔ کسی شخص نے اُن بزرگ سے بعد میں دریافت کیا کہ آپ نے ایسے عاشق کو مزار پر جانے سے کیوں روکا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ اس وقت امیر خسرو رح سے زیادہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ کو بیتابی تھی۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں مزار سے باہر نہ نکل آویں ؂

جب امیر خسرو رح نے انتقال فرمایا اور لوگوں نے چاہا کہ وصیت کے موافق ان کو حضرت سلطان المشائخ رح کے پہلو میں دفن کریں اُس وقت ایک خواجہ سرا کہ منصب وزارت رکھتا تھا مانع ہوا۔ اور کہا کہ حضرت کے مریدوں کو حضرت رح اور امیر خسرو رح کے مزار میں شبہ واقع ہوگا۔ مجبور ہوکر اُن کو شیخ کے پائیں پارول کے چبوترے پر دفن کیا گیا ؂ [1]

مقبرہ

امیر خسرو رح کی وفات کے ایک سو بہتر برس بعد یعنے ۸۹۶ھ [۱۴۹۱ء] میں مہدی خواجہ نے جو شہنشاہ بابر کے اُمرائے عظیم الشان سے تھا مزار کے گرد سنگ سرخ جالیدار مجحر تعمیر کرا کر لوح مزار نصب کرائی جس پر یہ کتبہ کندہ ہے ؂

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

زمیں را از یں لوح شد سرفرازی	بدوران بابر شہنشاہ غازی

تاریخ وفات [2]

[1] تاریخ فرشتہ ؂

[2] اس تاریخ کو خواجہ حسن دہلوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

میر خسرو خسرو ملک سخن	آں محیط فضل دریائے کمال
نثر او دلکش تر از ماء معین	نظم او صافی تر از آب زلال
بلبل بستان سرائے بے قریں	طوطی شکر مقال بے مثال
از پئے تاریخ سال فوت او	چوں نہادم سر بزانوئے خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او	دیگرے شد طوطی شکر مقال

بیت

ز حرف وصل جاناں سادہ باید لوح خاک من
طریق سادہ لوحی بس نشان عشق پاک من

تاریخ بنا

مہدی خواجہ سید با جاہ و جلال	شد بنا مے ایں اساس بے شبہ و مثال
گفتم سعی جمیل مہدی خواجہ	تاریخ بنائے ایں چو کردند سوال

حررہ شہاب الدین المعمائے الہروی

اس کے بعد شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں امیر خسرو کے انتقال کے دو سو نوے برس بعد محمد عماد حسن ابن سلطان علی سبزواری الملقب بہ طاہر بیگ نے جو امرائے عہد جہانگیری سے تھا ۱۰۱۴ھ میں سنگ مرمر سے مقبرہ تعمیر کرا کر گنبد کے اندر اشعار اور عبارت ذیل منقوش کرائی۔

تاریخ

ای خسرو بے نظیر عالم	بار حضرت تو مرا نیاز است

تعمیر منورِ طاہر آں را	فیضِ ازلی ہمیشہ باز است
تاریخ بنائش عقل گفتا	بارونقہ ۱۰۲۲ گو کہ جائے آز است

قایل ایں کلام و بانئے ایں مقام طاہر محمدؐ عماد الدین حسن ابن سلطان علی سبزواری فی سنہ ۱۰۲۲ھ غفرذنوبہ و ستر عیوبہ۔ الکاتب عبدالنبی ابن ایوب۔

ابیات

اے شہرتِ عاشقی بجامت	وز دوست زماں زماں پیامت
شد سلکِ فرید از تو منظوم	زانست کہ شد لقب نظامت
جاوید بقاست بندہ خسرو	چوں شد بہ ہزار جاں غلامت

دیگر

مرا نام نیک است و خواجہ عظیم	دو شین و دو لام و دو قاف و دو جیم
اگر نام یابی دریں حرف ہا	بدانم کہ ہستی تو مردِ فہیم

کاتب مذکور نبیرہ شیخ فرید شکر گنج۔

خیر الواصلین میں یہ تاریخ وفات کی تحریر ہے۔

تاریخ تعمیہ

خسروِ دہلوی بحکمِ خدا	بہ شبِ جمعہ زدارِ فنا
عمر ہفتاد و پنج سالش بود	کاں زماں شد بدرگہِ معبود
ہجدہم بود از مہ شوال	کہ گذشتہ ازیں جہانِ ملال
سالِ ترحیل او زمن بشنو	لفظِ فانی ۱۴۱ برآر از خسرو ۸۶۶

حضرت نظام الدین اولیاء رح اور امیر خسرو رح کے مزارات کے درمیان میں اب جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں اور محمد شاہ بادشاہ کے مجرے بن گئے ہیں۔ زائرین کو پہلے امیر خسرو رح کے مزار کی زیارت کروائی جاتی ہے اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاء رح کے مزار کی ۔ ۱۸ شوال کو امیر خسرو کا نہایت دھوم دھام سے عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں آدمی باہر سے آکر شریک ہوتے ہیں۔

روضہ کے اطراف میں جو سنگ سرخ کی جالیوں کا احاطہ ہے اس پر سینکڑوں برس سے سفیدی ہوتی ہے۔ جالیوں کے خوبصورت خانوں پر ایک ایک انچہ سفیدی چڑھ گئی ہے۔ ایک دن خواجہ حسن نظامی صاحب خواہرزادہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رح کو جالی پر حروف کا سا ابھار معلوم ہوا اُسے کھرچا تو تاریخ نکل آئی جو خواجہ موصوف نے میری استدعا پر مجھے لکھ کر بھیجدی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہر جالی نئے نمونہ کی ہے اور عجیب و غریب گلکاری کی شان رکھتی ہے مگر افسوس کہ اُن کی خوب صورتی سفیدی میں پوشیدہ ہے۔ گورنمنٹ نے ان کی صفائی کا حکم دیا تھا مگر بعض پرانے خیال کے لوگوں نے اس کو داخل جدت و بے ادبی سمجھ کر مخالفت کی اس لئے صفائی نہ ہو سکی وہ تاریخ یہ ہے ؎

شہِ ملکِ سخن خسرو سپہ سالارِ درویشاں | کہ نامش ثبت بر لوحِ جہاں چوں نقش در خارا
چناں در صورتِ خوبی سخن پرواز شد طبعش | کہ زیب داد از تصورت بخوبی لوحِ معنی را
شدہ غواص دریائے تفکر در محیطِ فضل | بروں آوردہ در ہائے معانی را از آں دریا
بہ تقدیرِ الٰہی مرغ روحش سدرہ ماوے شد | ندائے ارجعی چوں در رسید از عالمِ بالا

بسالِ پنج و بیج ہفتصد از ہجرت حضرت
زدار الملک دنیا کرد رحلت جانب عقبےٰ

عاقبت بخیر باد

گذشتہ بود ہشتی وہشت ونہصد سال از ہجرت　　بدورانِ ہمایوں بادشاہِ غازیِ دانا
شہنشاہے کہ میشاید اگر گویاں دائم　　دعائے دولتش گویند نزدِ ربِ الاعلےٰ
رفیع القدر صاحب لطف پاکے کہ در عالم　　بنودست ونباشد مثل او بے مثل وبے ہمتا
خدایا تا جہاں باشد بدولت باشد یادش　　خداوند جہاں یار و معینِ ناصر الاعداء

مذہب

حضرت امیر خسرو رح کا مذہب سنت وجماعت تھا۔ حنفی طریق اعتقاد سے دل نورانی تھا۔ جس میں صوفی مشربی اور مرشدِ کامل کی توجہ نے حقائق ومعارف کے دروازے کھول دیئے تھے وہ احکام اور فرائض شریعت کو کمال عقیدت اور نیازمندی سے بجالاتے تھے۔ باوجود شغل امارت آن کی ریاضت اس قدر درجۂ اعلےٰ پر پہنچی تھی کہ چالیس برس برابر صائم الدہر رہے[1] ہر شب کو ایک کلام مجید ختم کرتے تھے[2] اور نماز تہجد میں سات پارے پڑھا کرتے تھے[3]۔

عارفِ کامل مولانا جامی رح نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ پانچ مرتبہ خواب میں حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنے پیر حضرت سلطان المشائخ رح کے ہمراہ بطریق طے ارض سعادتِ حج سے مفتخر ہوئے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ رح سے منقول ہے کہ اگر قیامت کے دن خداوند تعالےٰ مجھ سے فرماویگا کہ دنیا سے میرے واسطے کیا لایا تو میں ترک اللہ کو پیش کرونگا[4] آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کسی چیز پر ناز کرے گا اور میں اس ترک اللہ

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ مونس الارواح۔ سفینۃ الاولیا۔ نفحات الانس۔ تاریخ فیروزشاہی وغیرہ ۔

[2] تذکرۃ الکاملین

[3] سیر الاولیا۔ مونس الارواح وغیرہ۔ [4] سفینۃ الاولیا۔ سبع سنابل ۔

کے سوز سینہ پر ناز کرونگا اور خدا نے مجھے اس ترک کے سوز سینہ کے سبب بخشے[1] اس موقع پر یہ شعر بھی آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

گر ز بہر ترک ترکم ارّہ بر تارک نہند
ترک تارک گیرم و تا نہ گیرم ترک ترک

منقول ہے کہ سوزِ سینہ آتشِ عشقِ حقیقی سے اِس قدر تھا کہ پیراہنِ مبارک آپ کا قلب کی جگہ سے ہمیشہ سوختہ رہا کرتا تھا۔ بلکہ یہ کیفیت تھی کہ جس وقت نیا کپڑا پہنتے اسی وقت دل کی جگہ سے جل جاتا تھا[2]۔

اخلاق و عادات

امیر خسرو رح کی تصنیف و تالیف اور ان کے حالات سے جو مصنفوں اور تذکرہ نویسوں نے لکھے ہیں واضح ہوتا ہے۔ کہ خوش اخلاقی۔ سخاوت و راستی۔ نیاز و خاکساری خوش مزاجی و بار باشی میں وہ اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ خداترسی اور رحم و شفقت ان کی عام تھی۔ ان کا مقولہ ہے کہ ہر کہ خود را بیند خدا را نہ بیند ہر کہ از خدا ترسد از و باید ترسید مزاج میں تکلف بالکل نہ تھا۔ سب سے بے تکلف باتیں کرتے اور خلق و محبت کے موتی پروتے تھے کسی کی دل شکنی کرنا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ باوجود مصاحبت شاہی اور کمال جاہ و حشمت کے اپنے آپ کو کمترین مخلوق سے سمجھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

غرہ بہ نزدیکئے سلطاں مشو
ہست وے از خرمن ہستی خسے

بلبلِ باغے مگس خواں مشو
تا تو چہ باشی کہ کمی ز و نسے

ان میں تعصب نام کو نہ تھا ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے ایسے خلوص و اخلاص

[1] تاریخ فرشتہ۔ نفحات الانس۔

[2] تذکرۃ الاولیائے ہند۔ سفینۃ الاولیا۔

سے ملتے تھے کہ کسی طرح کی دوئی نہ معلوم ہوتی تھی۔ اُمراء اور بادشاہوں کے یہاں سے قصائد مدح وغیرہ کے صلے میں جو بے شمار دولت ملتی تھی وہ سب خیرات کر دیتے تھے۔ صرف اُسی کو اپنے صرف میں لاتے جو خود کسب و محنت سے حاصل کرتے تھے۔ علاوہ دیگر شہادتوں کے خود اُن کے کلام ذیل سے پایا جاتا ہے کہ محض ابنائے جنس کی ہمدردی اور حاجت براری کی غرض سے وہ اُمراء اور بادشاہوں کی خدمت اور مصاحبت کی زحمت اٹھاتے تھے:-

سن کہ نہادم ز سخن گنج پاک — گنج زر اندر نظرم چیست خاک
گر دہدم تاجورے سر بلند — در نتواں باز بہ دریا فگند
ورنہ دہد زاں خودم رائگاں — رنجہ نہ گردم چو تہی مائگاں
یک جو ازیں فن چو بہ داماں نہم — دہ کنم آں را و بصد تن دہم
شیرم و رنج از پئے یاراں برم — نے چو سگِ خانہ کہ تنہا خورم
ہر چہ کہ پنہاں کنی از محرماں — سنگ ہماں باشد و گوہر ہماں
مار کہ گنجش بود اندر مغاک — حاصل او چیست ازاں گنج پاک

ان کے کلام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بالطبع بادشاہوں کی صحبت اور مداحی کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:-

رباعی

از گفتنِ مدح دل بمیرد — شعر ار چہ تر و فصیح باشد
گردد ز نفس چراغ مردہ — گر خود نفس مسیح باشد

بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں:-

چوں من نشوی کہ ہر زمانے — سازم بہ دروغ داستانے

دردل کندت ہنر فزائی	پیشہ نہ کنی ثنا سرائی
گر مدح چو در طبع کشد پاے	در صفت سراں نباشدت جاے

ایک نصیحت آمیز خط میں بیٹے کو لکھتے ہیں۔

برنوازش بادشاہ نیز نازش نشاید زیرا کہ چشمۂ خورشید چنانکہ آبروئے دہد آبروئے نیز تواند برد۔ و دریا بداں آب کہ گوہر بر دم رساند۔ مردم را نیز بگوہر تواند رسانید شعر

الا ان ذو العقل لم یعتمد　　علی الماء والنار والامر

(یعنی آگاہ ہو کہ صاحب عقل پانی اور آگ اور حاکم پر اعتماد نہیں کرتے) بادشاہ اگر چہ خنداں خنداں خزانۂ گوہر کشاید بداں فتحباب دل نہ باید بست کہ دراں حال صفت ضحاک دارد اگرچہ فریدوں دادگر است بیت

ہست دنداں سپید کردن شیر　　از پئے لعل کردن دنداں

اس کے بعد شاعری اور مدح کی برائیاں بیان کر کے لکھتے ہیں۔ چوں چنین است صلۂ شعر را کہ گدائی است حرام بجرمت تمام بر گدایانِ بے حرمت ایں کار باید گذاشت و تخۂ بہ مہر سکوت بہ دہاں زد و خطبہ القناعۃ مملکۃ را در ہفت اقلیم وجود بلند کرد۔ قناعت شاہی است۔ نظم

زشاعری چو من آرید اینچنیں آشام　　زدم ز شرم چو قاروں فرود زیر زمیں

سفینۃ الاولیا میں دارا شکوہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس وقت شیخ سعدی رح دہلی میں امیر خسرو رح سے ملنے تشریف لائے اس وقت ان کے پاس صرف ایک درہم اپنی خاص محنت کی کمائی کا موجود تھا وہ انہوں نے شیخ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ جو کچھ مال دنیوی میرے پاس ہے وہ یہ ہے جو کچھ ارشاد ہو اس میں سے مہیا کروں۔ شیخ نے از راہِ ظرافت جواب دیا کہ اس کا تیل چراغ کے واسطے خرید لاؤ تا کہ تمام شب ہم تم ہم صحبت رہیں ❊

حاضر جوابی اور خوش اخلاقی

حضرت سلطان المشائخ رح کے یہاں ایک سیّاح درویش مہمان تشریف لائے رات کو کھانا کھانے کے بعد باتیں شروع ہوئیں سیّاح نے ایسے دفتر کھولے کہ بہت رات گئے تک ختم نہ ہوئے حضرت نے انگڑائیاں جمائیاں بھی لیں مگر وہ سادہ لوح کسی طرح نہ سمجھے۔ حضرت نے اخلاق کی وجہ سے مہمان کی دل شکنی گوارا نہ کی اور بیٹھے سنتے رہے۔ امیر خسرو رح بھی حاضر تھے مگر خاموش بیٹھے ہوئے تھے جب آدھی رات کی نوبت بجی اُس وقت حضرت نے ان سے فرمایا کہ خسرو کیا بجا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ آدھی رات کی نوبت بجی ہے۔ حضرت نے ان سے کہا کہ اس میں کیا آواز آتی ہے۔ فوراً جواب دیا کہ سمجھ میں تو ایسا آتا ہے۔ نان کہ خوردی خانہ برو۔ نان کہ خوردی خانہ برو۔ خانہ برو۔

نان کہ خوردی خانہ برو۔ نہ کہ بدست تو کردم خانہ گرو۔ خانہ برو۔ خانہ برو۔

حرف حرف کی حرکت و سکون پر خیال کرو۔ ایک ایک چوٹ کو کیا کیا پورا ادا کر رہے ہیں اور نہ کہ بدست تو کردم خانہ گرو۔ کو دیکھو کہ اس نے کیا کام کیا ہے[1]

امیر خسرو رح کے محلہ کے کنارے پر چھتو نام ایک بڑھیا ساقن کی دکان تھی شہر کے بیہودہ اور اوباش لوگ اُس کی دکان پر بھنگ چرس پیا کرتے تھے۔ جب امیر خسرو رح اپنے گھر آتے جاتے تو وہ بھی سلام کرتی اور کبھی کبھی حقہ بھر کر سامنے لے کھڑی ہوتی تھی۔ چونکہ انہیں کسی کی دل شکنی گوارا نہ تھی لہٰذا یہ بھی اُس کی دلشکنی کے لحاظ سے دو ایک گھونٹ پی لیا کرتے تھے ایک دن اُس نے ان سے کہا کہ آپ ہزاروں غزلیں۔ گیت۔ راگ۔ راگنی بناتے ہیں اور کتابیں لکھتے ہیں کوئی چیز اِن

[1] تذکرۂ آبِ حیات ۱۲

لونڈی کے نام بھی بنا دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ بی چھتو بہت اچھا۔ کئی دن کے بعد اُسنے پھر کہا کہ بھٹیاری کے لڑکے کے لئے خالق باری لکھ دی اگر لونڈی کے نام بھی کچھ لکھ دوگے تو کیا ہوگا آپ کے صدقہ میں ہمارا نام بھی دنیا میں رہ جاوے گا اُس کے بار بار کہنے سے کچھ خیال آگیا۔ کہا کہ لو بی چھتو سنو!

اوروں کی چوپہری باجے چھتو کی اٹھ پہری	بادشاہ کے یہاں آٹھ پہر میں چو پہری نوبت بجا کرتی تھی امیر خسرو کہتے ہیں کہ یہ بادشاہوں سے بھی بڑی ہیں۔
باہر کا کوئی آئے ناہیں آئیں سارے شہری صاف صوف کر آگے راکھے جیسیں نا ہیں تو سل	جنگلی گنواروں کا کام نہیں سفید پوش آتے ہیں پیالہ بھنگ صفے حاضر کرتی ہے جس میں اُتش نہ تنکا ہو۔
اور دیکھے جہاں سینگ سماوے چھتو کے واں موسل	بھنگڑ فخریہ کہا کرتے ہیں کہ وہ ایسی بھنگ پیتا ہے کہ جس میں گاڑھے پن کے سبب سینگ کھڑی ہے۔ یہ اپنا لوگ کرتے ہیں کہ یہ ایسی بھنگ بناتی ہے کہ جسمیں موسل کھڑا رہے۔

امیر خسرو رح کی بدولت آج بی چھتو کا نام بھی دنیا میں چلا جاتا ہے[1]

اولاد

میری قاصر نظر سے کسی تاریخ یا تذکرہ میں امیر خسرو رح کی اولاد کا حال نہیں گذرا انھیں کی مختلف تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ غیاث الدین احمدؒ۔ عین الدین احمدؒ۔ یمین الدین مبارک تین بیٹے تھے اور ان تینوں سے بڑی ایک بیٹی تھی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیٹی کے پیدا ہونے کے بعد انہیں بیٹے کی بڑی آرزو تھی بیٹی کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الحیات ۱۲

کاشکی مادہ تو ہم بچہ بودے — در جسم طفلِ ہشت مہ بودے
لیک چوں دادۂ خدائے رواست — با خداوندگاں ستیزہ خطاست
من پذیرفتم آنچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم بہر چہ از دِ اوست — کاں دہد بندہ را کہ درخورِ اوست
ہرچہ او داد بس پسندیدست — ہم دراوّل صلاح او دیدست
پدرم ہم ز مادرست آخر — مادرم نیز دخترست آخر
گر نہ پرورد صدف نقاب شدے — قطرۂ آب باز آب شدے
دانہ بے کشت کے ببار آید — آسماں بے زمیں چہ کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم — چوں مسیحا ز مریمِ معصوم
لیک بے مادر نجستہ وجود — ولدے را نگفتہ کس مولود

امیر خسرو رح کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی اور اُن کی تعلیم و تربیت پر بہ دل و جان مصروف تھے۔ اُنھوں نے اپنی کل تصنیف و تالیف میں بیٹوں اور بیٹی کو قابل قدر نصیحتیں کرکے اُن کی آئندہ زندگی کے واسطے ایک مکمل دینی اور دنیوی دستور العمل بنا دیا تھا۔

مولانا عبد القادر بدایونی منتخب التواریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلطان فیروز شاہ کے زمانے کے بڑے شاعروں میں ملک احمدؒ امیر خسرو رح کا بیٹا تھا اور یہ بادشاہ کے مصاحبوں میں سے تھا اگرچہ اُس کا کوئی دیوان مشہور نہیں ہے۔ مگر اُس نے جو متقدمین کے کلام میں دخل دیا ہے وہ اکثر لوگوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ ظہیر فاریابی کی اِس بیت میں تصرف کیا ہے ؎

کلاہ گوشۂ حکم تو از طریقِ نفاذ — ربودہ از سرِ گردوں کلاہِ جباری

ملک احمدؒ نے کہا کہ اِس طرح ہونا چاہیے تھا ؎

زہے طپانچۂ قہرِ تو از طریقِ نفاذ ‖ فگندہ از سرِ گردوں کلاہِ جباری

دیگر ظہیر

ایں سہل بود کہ گوگردِ سرخ خواست ‖ گرنانِ خواجہ خواستی آزاچہ کردہ

ملک احمدؒ

ایں سہل بود کہ آبِ حیات خواست ‖ گرنانِ خواجہ خواستی آزاچہ کردہ

ایک اِس بیت میں بھی تصرف کیا ہے۔

گر مشک خواند خاکِ درت را فلک مرنج ‖ زرخ گہر بطعنِ خریدار نشکند

ملک احمدؒ

گر لعل خواند سنگِ درت مشتری مرنج ‖ زرخ گہر بطعنِ خریدار نشکند

اِن کے علاوہ بعض اور شعر بھی نظر سے گذرے ہیں مگر یاد نہیں رہے اور چونکہ ملک احمدؒ جناب امیر خسرو رح کے یادگار تھے اِس سبب سے اُن کے اس تصرفات کو بادشاہ اور امیر اور فضلاے عہد بہت پسند کرتے اور غنیمت جانتے تھے صاحب منتخب التواریخ یا کسی دوسرے مورخ کی تحریر سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ملک احمدؒ امیر خسرو رح کے کس بیٹے کا خطاب تھا۔

سیر الاولیا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیر خسرو رح کا ایک بیٹا امیر حاجی کے نام سے موسوم تھا اور ایک دن اُس نے امیر خسرو رح کی غزل جس کا مقطع یہ ہے حضرت سلطان المشائخ رح کے روبرو اِس خوش الحانی سے گائی تھی کہ آپ کو نہایت ذوق اور وجد پیدا ہوا تھا ؎

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار
کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دیں نہادہ است

باب پنجم

ایجاد و اختراع

صانع قدرت نے امیر خسرو رح کے دل و دماغ میں عقل و دانائی کا وہ بیش بہا نورانی جواہر موج زن کیا تھا کہ یہ صاحبِ کمال نہ صرف ایک بلند خیال شاعر اور انشا پرداز ہی تھا بلکہ جامع علوم ظاہری و باطنی اور منبع کمالات صوری و معنوی تھا۔ جس فن کو دیکھئے اُسی میں اُسے کمال حاصل تھا۔ تاریخی میدان میں وہ ایک صاحب نظر مؤرخ اور فقہ کے عالیشان دربار میں ایک دانشمند فقیہ اور تصوف کے رنگ میں ثانی شبلی رح و بایزید رح اور فن موسیقی میں کامل الفن اور شہرۂ آفاق تھا۔

ضیاء الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کا یہ لکھنا کہ ایسا صاحب کمال جس کو اس قدر فنون میں کمال حاصل ہو نہ پیدا ہوا ہے اور نہ امید ہے کہ قیامت تک پیدا ہو کچھ زیادہ مبالغہ آمیز نہیں معلوم ہوتا۔

آپ کی طبع رسا کو فن موسیقی میں ایسا دخل حاصل تھا کہ بڑے بڑے صاحب کمال موسیقی داں اور گویے آپ کی شاگردی کو فخر سمجھتے تھے نایک گوپال جو اپنے وقت میں اِس فن کا اُستاد اور یکتائے زمانہ تھا دکن سے صرف آپ کی شہرت و کمال کا حال سُنکر دہلی آیا اور ہندتوں آپ کی صحبت میں رہ کر کمال حاصل کیا اسی

طرح جس ساونت بھی جو فن موسیقی کے کاملین میں شمار ہوتا ہے۔ آپ ہی کا صحبت یافتہ تھا[1]

آپ کی طبیعت اختراع میں اعلےٰ درجہ صنعت و ایجاد کا رکھتی تھی فن موسیقی میں کئی چیزیں آپ کی ایجاد کردہ ہیں۔ دھر پت کی جگہ قول و قلبانہ بنا کر بہت سے راگ ایجاد کئے اور گیت بنائے ہیں۔ قبولیت عام واقعی خدا داد چیز ہے اس صاحب کمال کے کلام کو خدا نے ایسی قبولیت عام کی دولت عطا فرمائی ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ زمانہ چھ سو برس آگے بڑھ آیا زبان کچھ سے کچھ ہو گئی مگر اُن کے بنائے ہوئے گیت اُسی طرح آج تک ہندوستان کے زن و مرد کی زبان پر جاری ہیں ورنہ لوگوں نے ہزاروں گیت بنائے اور گانے والوں نے گائے۔ آج ہوتے کل بھول گئے۔ دہلی اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں برسات کے موسم میں عام عورتیں جھولے ڈالتی ہیں اور مل مل کر جھولتی اور گیت گا کر اپنا جی خوش کرتی ہیں اُن میں شاید ہی کوئی عورت ہو جو یہ گیت نہ گاتی ہو۔

گیت

جو پیا آون کہہ گئے۔ اجھوں نہ آئے سوامی ہو۔ اے جو پیا آون کہہ گئے۔ آون آون کہہ گئے آئے نہ بارہ ماس۔ اے ہو جو پیا آون کہہ گئے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ گیت بھی آپ ہی کا ایجاد کیا ہوا ہے اور برواراگ میں لے بھی انہیں کی رکھی ہوئی ہے۔ بڑی بڑی عورتوں کے گانے کے لئے تو ایسے گیت تھے چونکہ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو پیا اور سوامی کی یاد میں اس طرح گانا مناسب نہ تھا لیکن دل میں اُمنگ تو وہ بھی رکھتی تھیں انھیں بھی فصل

[1] مطلع العلوم

کی بہار منائی تھی اُن کے لئے اور گیت بنائے تھے جس میں سے ایک یہ ہے ۔

آماں میرے باوا کو بھیجو جی . . . . کہ ساون آیا ۔۔یعنے مجھے آکر لیجاوے
بیٹی تیرا باوا تو بڈھا ری . . . . کہ ساون آیا ۔۔یعنے وہ کیونکر آسکتا ہے
آماں میرے بھائی کو بھیجو جی . . . . کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بھائی تو بالا ری . . . . کہ ساون آیا ۔۔یعنے بچہ اکیلا اتنی دور کیونکر آوے ۔
آماں میرے ماموں کو بھیجو جی . . . . کہ ساون آیا
بیٹی تیرا ماموں تو بانکا ری . . . . کہ ساون آیا بھلا وہ کب تیری سنیگا[1]

بہار راگ اور بسنت کے میلے نے بھی امیر خسرو رح کی طبیعت سے ستار رنگ پکڑا ہے اور ستار کی ایجاد کا فخر بھی آپ ہی کو حاصل ہے جو بین کو مختصر کر کے ایجاد کیا ہے[2]

مسلمانوں میں بسنت

جس طرح ایران و توران اور خراسان وغیرہ میں بہار کا موسم دلوں کو شگفتہ کرتا ہے میلہ بسنت اور اس میں طرح طرح کی رسومات ادا کی جاتی ہیں ۔ اسی طرح ہندوستان میں اس موسم میں فصل بہار کے قدرتی جوبن سے اہل ہند کے دلوں میں ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور اس موقع پر بسنت کا تیوہار جو بسنت پنچمی کے نام سے مشہور اور موسم بہار کی ابتدا میں جب ماگھ کے مہینے میں دس دن باقی رہ

[1] آبحیات ۔
[2] مطلع العلوم و آبحیات وغیرہ ۔

جاتے ہیں منایا جاتا ہے۔ بسنت ہی سے ہولی کے مستانہ تہوار کے رنگ اڑتے پچکاریاں چھٹنے۔ گلال کے قمقمے چلنے۔ لوگوں کے جھوم جھوم کر مستانہ چال سے گانے بجانے کی ابتدا شروع ہوجاتی ہے۔ اس دن راجہ۔ مہاراجہ بسنتی پوشاک زیب بدن کرکے دربار کو سجاکے خوشیاں مناتے ہیں۔ عوام الناس جنگلوں میں جاکر سرسوں کے بسنتی پھول اور سبزے کی قدرتی آرایش کا نہایت ذوق و شوق سے نظارہ کرتے ہیں۔ مالنیں سرسوں کے پھول اور گیہوں وغیرہ کی بالیں ہر گھر میں پہنچاتی ہیں۔ مختلف شہروں قصبوں میں میلے ہوتے ہیں جن میں زن و مرد بسنتی کپڑے پہن کر شریک ہوتے ہیں۔ غرضکہ بسنت آنچھی کے دن جدھر دیکھو بسنتی سماں ہی نظر آتا ہے۔

جب ایسی دو قومیں جن کی طرز معاشرت رسم و رواج ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں باہم ملتی ہیں تو ہر وقت کے ایک جگہ رہنے سہنے۔ ملاقات و محبت سے ایک کے رنگ و روپ کا سایہ دوسرے پر پڑنا ضروری بات ہے۔ چنانچہ ہندو مسلمانوں کے مدتوں کے میل جول۔ نشست و برخاست سے ایک دوسرے کی گفتگو۔ لباس۔ خوراک۔ مختلف رسومات وغیرہ پر بھی بہت بڑا اثر پڑا۔ جس کا اندازہ عام طور سے محسوس ہوتا ہے۔

یہ امر تو تاریخ سے ثابت ہے کہ مسلمانوں میں بسنت کے میلے نے ہندوستان کے بلبل ہزار داستان حضرت امیر خسرو رح کی زندہ دل اور جدت پسند طبیعت سے رنگ پکڑا ہے۔ لیکن تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی ابتدا کس طرح سے شروع ہوئی۔ اس کی نسبت جناب حسن نظامی صاحب خواہرزادہ حضرت سلطان المشائخ رح نے غالباً زبانی خاندانی روایت کی بنیاد پر پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۱۲ء میں ایک مضمون تحریر فرمایا

ہے۔ جسے تخفیف کمی و بیشی کے ساتھ ذیل میں جمع کیا جاتا ہے۔

ساتویں صدی کے اختتام پر حضرت سلطان المشائخ رح کے حقیقی بھانجے مولانا تقی الدین رح نوح نے جو چھوٹے بھائی خواجہ رفیع الدین ہارون کے تھے عین عنفوان جوانی میں بعارضۂ دق اس دارِ ناپائدار سے انتقال فرمایا حضرت سلطان المشائخ رح کو اپنے اس لائق ہونہار اور سعید و صالح بھانجے سے بہت الفت تھی۔ صاحب سیر الاولیا کا بیان ہے کہ حالتِ زندگی مولانا تقی الدین نوح میں ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخ رح سخت بیمار ہوئے اور حالتِ بیماری میں آپ نے مولانا کو اپنے روبرو طلب فرما کر بہت سے درویش اور مشائخین کے روبرو خلافت عطا فرمائی اور حسب ذیل وصیت کی۔

"بابیکہ ہرچہ بر تو رسد نگاہ نہ داری و آں را بجز ہیچ رسانی اگر بر تو چیزے نباشد ہیچ دل خور و انگراں نداری کہ خدا ترا خواہد داد، ہیچ کسے را بد نخواہی و از خدا ہم یکے را بد نخواہی و جفا را بہ عطا بدل کنی و دیہ و ادرار نستانی کہ درویش قرار دارد و ادرار خوار نباشد۔ اگر تو چنیں باشی بادشاہاں بر درِ تو آیند۔"

حضرت سلطان المشائخ رح کو اس صاحبزادے کے انتقال سے ایسا صدمہ ہوا کہ عالمِ سکوت کا طاری ہو گیا یہاں تک کہ اس صدمہ کی وجہ سے چھ ماہ تک آپ نے تبسم نہیں فرمایا۔ حضرت کے یاران اور مریدانِ جان نثار کے علاوہ تمام دہلی میں ان صاحبزادے کے انتقال سے عالمِ ماتم اور کہرام تھا خصوصاً حضرت امیر خسرو رح کو علاوہ اپنے رنج و صدمے کے حضرت سلطان المشائخ رح کے اس صدمہ اور سکوت کی وجہ سے کسی وقت قرار نہ تھا۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ کوئی سلسلہ حضرت کی شگفتگی اور غم غلط ہونے کا پیدا کیا جاوے۔ ایک دن صبح اپنے چند دوستوں کے جنگل کی سیر کرتے پھرتے تھے۔ بہار

کے خوش نما موسم کا آغاز تھا۔ ہرے ہرے کھیتوں میں سرسوں کے زرد پھول بہار دکھا رہے تھے۔ سامنے پہاڑی پر کالکاجی کا مندر تھا بسنت پنچمی کا دن تھا مندر پر میلہ لگا ہوا تھا اور مورت پر سرسوں کے پھولوں کا مینہ برس رہا تھا اور اکثر لوگ عجیب خود رفتگی سے ترانے الاپ رہے تھے۔ جب امیر خسرو رح نے یہ حال دیکھا اس خوش نما سین کا اُن کے دل پر بہت بڑا اثر پڑا ۔اسی وقت فارسی اور ہندی کے چند شعر موزوں کئے۔ جنگل سے سرسوں کے پھول توڑے اور پگڑی کو ذرا کج کرکے اِس طرز سے باندھا کہ مستانہ شان معلوم ہوتی تھی۔ اسی ہیئت سے ان اشعار کو پڑھتے ہوئے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ رح اسوقت حسب دستور مرحوم خواہرزادہ کے مزار پر تشریف لائے تھے اور قریب ہی ایک برج میں رونق افروز تھے۔ آپ امیر خسرو رح کی یہ مستانہ ادا دیکھ کر اور فارسی اور ہندی کے اشعار اس رنگ میں سن کر بہت محظوظ ہوئے اور کامل چھ مہینے کے بعد تبسم فرمایا۔ اس دن سے آج تک بسنت پنچمی کے دن جب ہندو کالکاجی کے مندر پر جاتے ہیں تو دہلی اور قرب و جوار کے خاص اور ممتاز صوفی چند قوالوں کو لے کر سرسوں کے پھول ہاتھ میں لئے اشعار پڑھتے ہوئے اول اس مقام پر جہاں حضرت سلطان المشائخ رح اس دن تشریف رکھتے تھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کے خواہرزادہ مولانا تقی الدین نوح کے مزار پر ہوتے ہوئے حضرت کے روضۂ اقدس پر آتے ہیں کسی قدیمی کتاب میں وہ اشعار درج نہیں ہیں صرف ایک شعر فارسی اور چند ٹھمریاں ہندی کی قوالوں کی زبان پر باقی رہ گئی ہیں۔ وہ شعر یہ ہے۔

اشک ریز آمد است ابر بہار ساقیا گل بریز و بادہ بیار

قوال ہندی کی ٹھمریوں کو پڑھ پڑھ کر اسی شعر کو بار بار دہراتے ہیں۔ ہندی میں "سب یار توری بسنت مناتی"۔ بہت موثر ہے۔

اصل واقعہ تو یہ ہے لیکن دہلی میں پندرہ دن مختلف درگاہوں پر بسنت کے اسلامی میلے نہایت دھوم دھام اور ناچ رنگ کے جلسوں سے ہوتے ہیں جن میں ہزاروں روپے صرف ہو جاتے ہیں۔ آگرے میں بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان سیلیں لے۔لے کر جنگلوں میں بسنت مناتے اور حلوا پوری اڑاتے ہیں اور گھروں میں عورتیں بھی بسنتی کپڑے پہن کر کڑاہیاں چڑھا کر پکوان کرتی ہیں اور مل مل کر بسنت کے گیت گاتی ہیں۔ اور شمالی ہند کے اکثر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں میں کم و بیش بسنت کی رسمیں جاری ہیں۔

منقول ہے کہ ایک دن ایک کوچے سے امیر خسرو رح کا گذر ہوا دھنیا ایک دوکان پر روئی دھنک رہا تھا کسی نے کہا کہ جس دھنئے کو دیکھو ایک ہی انداز پر روئی دھنتا ہے۔ سب ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں کوئی بولا قدرتی استاد نے سب کو ایک ہی انداز پر سکھایا ہے آپ نے فرمایا کہ سکھایا بھی ہے اور ایک حرکت میں بھی تال کو جانے نہیں دیا۔ کوئی بولا لفظوں میں کیونکر لا سکیں فرمایا۔ در پئے جاناں جاں ہم رفت۔ جاں ہم رفت۔ جاں ہم رفت۔ رفت رفت۔ جاں ہم رفت ایں ہم رفت و آں ہم رفت۔ آں ہم رفت۔ آں ہم رفت۔ اینہم آنہم۔ اینہم آنہم آنہم رفت رفتن۔ رفتن رفتن وہ۔ وہ۔ وہ۔ رفتن وہ۔ رف۔ رف۔ رفتن وہ۔ رفتن وہ[1]

---

[1] تذکرہ آب حیات۔

قوالی

روشِ قوالی جو آج کل جاری ہے یہ بھی حضرت امیر خسرو رح کی ایجاد ہے اس سے پہلے اگرچہ سرود و سماع جملہ خواجگانِ چشت قدس اللہ ارواحہم سنتے تھے مگر کوئی قاعدہ اور طریقہ مقرر نہ تھا چونکہ حضرت سلطان المشائخ رح کو سماع سے بہت شوق تھا اس وجہ سے امیر خسرو رح نے صوفیانہ طریقہ سماع میں بہت سی نئی باتیں اور قاعدے ایجاد کرکے اس کو قوالی کے نام سے موسوم کیا اکثر حضرت سلطان المشائخ رح آپ کو بخطاب مفتاح السماع یاد فرمایا کرتے تھے۔[۱]

منقول ہے کہ جب حضرت سلطان المشائخ رح کی یہ خواہش ہوتی کہ قوالی سنیں تو امیر خسرو رح اور میر حسن رح حضرت کے جانب راست بیٹھتے اور مبشر غلام زرخرید آپ کا جانب چپ بیٹھتا تھا مجلس میں درویشانِ صاحب کمال اور صوفیانِ اہلِ وجد و حال کثرت سے جمع ہوتے تھے اول امیر خسرو رح صوفیانہ طریقے سے غزلیں اور بیتیں پڑھتے اور جس بیت پر حضرت سلطان المشائخ رح اپنا سر ہلاتے اس کو امیر حسن رح اور مبشر مکرر سہ کرر زبان پر لاتے اور ایسا سماں باندھتے تھے کہ حضرت وجد میں آجاتے تھے۔[۲]

صاحب سیر الاولیا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن جبکہ غیاث پور میں میرے والد ماجد کے مکان پر امیر خسرو رح نے حضرت سلطان المشائخ رح اور بزرگانِ شہر کی دعوت فرمائی تھی سماع شروع ہوا۔ اول بہلول قوال نے امیر حسن رح کی یہ غزل گائی۔

---

[۱] سفینۃ الاولیا۔ سبع سنابل۔ تذکرہ اولیائے ہند + [۲] تذکرۃ الواصلین تاریخ فرشتہ ۱۲

نه هر ترکے که از غمهاے ابرو	کماں پیدا کند پنهاں ز تدبیر
بگوش مدعی کے جاے گیرد	مزامیرے که هست اندر مزامیر

اس کے بعد امیر خسرو رح نے اپنی غزل شروع کی لیکن صرف مطلع پڑھ کر اسکو چھوڑ دیا اور شیخ سعدی رح کی یہ غزل شروع کر دی اور اس خوش الحانی سے گائی کہ تمام حضار مجلس کو رقت پیدا ہوئی۔

معلمت ہمہ شوخی و دلبری آموخت جفا و ناز و عتاب و ستمگری آموخت

اسی طرح جب اپنی غزل شروع کرتے صرف مطلع پڑھ کر دوسرے کی غزل شروع کر دیتے تھے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد کسی نے اُن سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ جب آپ اپنی غزل شروع کرتے تھے صرف اُس کا مطلع پڑھ کر دوسرے کی غزل شروع کر دیتے تھے جواب دیا کہ جب میں اپنی غزل شروع کرتا تھا اس قدر معنے ہجوم لاتے تھے کہ اُس کے ضبط سے حیران ہوکر دوسرے کی غزل شروع کرتا تھا۔

یہ بھی صاحب سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت امیر خسرو رح کو قوالی میں ذوق پیدا ہوا اور وہ ہاتھ اُٹھا کر رقص کرنے لگے۔ اُس وقت حضرت سلطان المشائخ رح نے اُن کو اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ تم دنیا سے تعلق رکھتے ہو۔ تمھارے واسطے جائز نہیں ہے کہ ہاتھ اُٹھا کر رقص کرو۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کیا خوب فرماتے ہیں۔

رقص وقتے مسلمت باشد کاستیں کز دو عالم افشانی

ایک مرتبہ ایک گویّے اور حضرت امیر خسرو رح سے موسیقی اور شاعری کے متعلق بحث ہو پڑی۔ دربار شاہی کا گویا جو اُصول ادب سے پورا واقف اور مختلف علوم کا ماہر تھا کہنے لگا کہ موسیقی کو علم حکمت میں شمار کیا گیا ہے۔ اور

موسیقی دلوں پر خاص اثر ڈالنے کا ذریعہ ہے۔ امیر خسرو رح نے جواب دیا کہ میں علم موسیقی اور شاعری دونوں سے واقف ہوں۔ موسیقی اگرچہ دلوں پر خاص اثر ڈالتا ہے لیکن شعر خاص حکمت ہے اور موسیقی کو شعر کی ضرورت ہے۔ مگر شعر کو موسیقی کی ضرورت نہیں اُس کے لطائف بلا واسطہ موسیقی دل پر اثر کرتے ہیں۔ یہ دلچسپ مکالمہ یہ ہے ؎

حسنِ اخلاق از خردمنداں تواں کردن طلب
خر بود آں کو ادب جستن بسوے خر بود

بے خرد را عیب نتواں کرد در ترکِ ادب
عیب نبود مور بر تختِ سلیماں گر بود

مطربے مے گفت خسرو را کہ اے گنجِ سخن
علمِ موسیقی ز جنسِ نظم نیکو تر بود

زانکہ ایں علمے ست کز دقت نیاید بر قلم
واں نہ دشوار ست کاندر کاغذ و دفتر بود

پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم
ہر دو را سنجیدہ بر وزنے کہ آں بہتر بود

فرق من گویم میانِ ہر دو معقول و درست
تا وہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود

نظم را علمے تصور کن بنفسِ خود تمام
کو نہ محتاجِ سماع و صوت خنیاگر بود

گر کسے بے زیر و بم نظم فسرد خواند رواست
نے معنی ہیچ نقصان نے بہ لفظ اندر بود

ور کند مطرب بسے ہاں تاں و ہوں ہوں ور سرود
چوں سخن نبود ہمہ معنئ او ابتر بود
ہاے زن ہا ایں کہ صوتے داد و گفتار نے
لاجرم در قول محتاج کسے دیگر بود
پس دریں صورت ضرورت صاحب صوت و سماع
از براے شعر محتاج سخن پرور بود
نظم را حاصل عروسی دان و نغمہ زیورش
نیست عیبے گر عروس خوب بے زیور بود
من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر
ورنہ داند پرسد از من ورنہ پرسد خر بود

ایک قلمی پرانی کتاب میں امیر خسرو رح کا ایک رقعہ بھی علم موسیقی کی نسبت نظر سے گذرا ہے جس کی نقل درج کی جاتی ہے جس مقام سے پڑھا نہیں گیا وہاں لکیر کھینچ دی گئی ہے۔

رقعہ بعلم موسیقی بہ یار تحقیقی

بشنو اے یار حقیقی علم موسیقی عجب علم ایست۔ طوطئے قفس ناطقہ بے ———— علائق جسمانی در شکرستان ذوق محظوظ گشتہ و عندلیب ارواح از زمرۂ روح افزا روح الارواح بہ شوق محو شدہ در قالب در آمد۔ و قانون نغمہ عیش وار غنون عشرت و طنبور طرب ساز کردہ بایں ترانہ تن زد بیت

تن چو در آید بہ نواے سرود ———— آہنگ ہواے تو بود

سبحان اللہ عجیب و غریب ترانہ است کہ مردان صاحب حال در عشق ابرو ماہ

حال از پردہ مدار بر آمدہ۔ سوائے غزل و آہنگ چنگ در سماع آمدند بغیر نشاء آب انگور ——— عرب و عجم سرمست شدہ از کوچک و بزرگ دست افشاں و پاے کوباں تن تن تن گویانند **بیت**

تن تن بگوے اے دل تا تن زتن بدانی ۔۔۔ تا نقش ہر تنے را از ہر تنے بخوانی

مدعا کہ ہیچ شمہ مارا ازیں ساز پرگداز رہائی نیست **بیت**

چہرہ بود ایں کہ زد در پردہ مطرب ۔۔۔ کہ مے رقصند باہم مست و ہشیار

تانہ عشاق ——— درحقیقت و مجاز و سوز یوز اصفہان و عراق بہ فراق چہ رسد او لے والنسب آنست کہ ہوشمند دانش پیوند ——— شکر خند نہاد نیرنگ تبریز ——— انگیز و صداے در آور بگو سر راہ کم نکند پیوستہ سلک سلوک سلک ولو سلک کرنوا ——— سوز اند از سما تا سمک از دست ندہاد و مقامات اصل شتافتہ ہموارہ آں یگانہ و ردوگانہ شب و روز سہ گانہ موالید عشرت جہان افروز و چہار ارکان حیرت نشان بہ اداے بے ریائی پنجگانہ خلاصہ اوقات را مصروف دارد و بیقین داں کہ دریں حال قوالان مغلوب و مسکوب و راست کاران برگزیدہ محبوب۔ **ع**

از ہمہ غم رستی اگر راستی

ملا عبدالحمید لاہوری بادشاہ نامہ میں بواقعات سنہ ۱۰۴۷ھ ایک واقعہ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ قبل امیر خسرو رح کے ہندوستان کے قدیم گویّوں کا مدار تصانیف پر جسے گیت اور چند و اور دہرو اور سنت کہتے ہیں تھا لیکن چونکہ یہ نغمات کرناٹکی زبان میں تھے جسے اِس طرف کے آدمی نہیں سمجھتے تھے اِس وجہ سے سامعین کو کچھ لطف نہیں آتا تھا امیر خسرو رح نے حسب ذیل چار نئے راگ ایجاد کئے۔

اوّل قول تھا قانون گیت جو زبان عربی یا فارسی نظم یا نثر پر مشتمل تھا۔
اور جس کی بنیاد ایک یا دو یا تین یا چار تال پر رکھی تھی۔
دوم فارسی۔ اس میں اشعار فارسی کو ساتھ ترانہ کے اوپر ایک تال کے فراہم کیا تھا۔
سوم ترانہ۔ کہ بے اشعار کے بنیاد اس کی اوپر ایک تال کے رکھی تھی۔
چہارم تصانیفی۔ ہندی زبان میں مثل خیال وغیرہ کے ایجاد کئے ہیں۔

ہماری زبان اُردو اور امیر خسرو رح

اُردو بولنے والے بہت سے لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ ہماری زبان اُردو کی ماں برج بھاشا ہے جو ہندوستان میں اہل اسلام کے آنے سے پہلے شمالی ہند کے عوام کی زبان تھی اس کے بعد جو مسلمان ہندوستان میں آئے وہ عام طور سے وہی رائج الوقت فارسی بولتے تھے جس میں عربی ترکی الفاظ کثرت سے موجود تھے چونکہ ہر وقت ایک جگہ کے رہنے سہنے۔ باہمی مقدمہ معاملہ۔ لین دین میں ایک دوسرے کے الفاظ کے بغیر بولے چارہ نہ تھا اس ارتباط اور اختلاط سے قدرتاً ایک تیسری زبان پیدا ہونا شروع ہوئی۔

یہ امر غالباً دلچسپی سے دیکھا جاوے گا کہ اقلیم تصنیف و تالیف میں سب سے پہلے امیر خسرو رح کی اختراع پسند طبیعت نے ایک نیا طلسم خانہ انشا پردازی کا کھولا جسنے برج بھاشا کی زمین میں فارسی کا بیج بویا اور اس سے وہ ہونہار بچہ عالم ظہور میں آیا جس نے پیدا ہو کر ہندی اور ہوش سنبھال کر ریختہ اور جوانی کے عالم پر پہنچ کر اردو نام اختیار کیا۔ خالق باری جس کا اختصار آج

ہمک بچوں کے ورد زباں ہے اسی طلسم خانہ انشاء پردازی کی بنیاد ہے۔ یہ اس وقت کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی اس کے علاوہ بہت سی پہیلیاں۔ مکرنیاں۔ انمل۔ دو سخنے وغیرہ امیر خسرو رح کی یادگار سے اس وقت تک باقی ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ جیسی اس زمانہ میں یہ چیزیں مقبول خلائق تھیں ویسی ہی آج بھی ہیں نمونہ کے طور پر ان میں سے کچھ درج کی جاتی ہیں[1]

آنکھوں کے علاج میں ایک مجرب نسخہ دوہروں کی بحر میں لکھتے ہیں۔

لودھ۔ پھٹکری۔ مُردہ سنگ
افیون چنا بھر مرچیں چار
پوست کے پانی پوٹلی کرے

ہلدی۔ زیرہ ایک ایک ٹنک
آورد برابر تھوتھا ڈار
تت پیر نینوں کی ہرے

پہیلیاں

بنولی کی پہیلی۔

تروَر سے ایک تریا اتری اُسنے بہت رجھایا		باپ کا اُسکے نام جو پوچھا آدھا نام بتایا
آدھا نام پتا پر پیارا بوجھ پہیلی موری		امیر خسرو یوں کہیں اپنا نام بنولی

آئینہ کی پہیلی۔

فارسی بولے آئینہ ترکی سوچے پائےنا		ہندی بولی آرسی آئے مُنہ دیکھو جو اسے بتائے

ناخن کی پہیلی۔ بیسوں کا سر کاٹ لیا۔ نا مارا نا خون کیا۔

لال کی پہیلی

اندھا گونگا بہرا بولے گونگا آپ کہائے
مٹی کا سندوا کا باشا۔ باشے کا وہ کھاجا

دیکھ سفیدی ہوت انگارا گونگے سے بھر جائے
سنگ ملے تو سر پر راکھیں واکو راور اجا

[1] تذکرہ آب حیات ۱۱

سی سی کرکے نام بتایا تا میں بیٹھا ایک ۔۔۔ اُلٹا سیدھا پھیر و دیکھو وہی ایک کا ایک
بھید پہیلی میں کہی تو سن لے میرے لال ۔۔۔ عربی ہندی فارسی تینوں کرو خیال

کہ مکرنیاں

مکرنیوں کا موجد بھی امیر خسرو رح کو کہا جاتا ہے۔

مکرنی (۱) سگری رین موہے سنگ جاگا ۔۔۔ بھور بھئی تو بچھڑن لاگا
اسکے بچھڑے پھاٹت ہیا ۔۔۔ اے سکھی ساجن۔ نا سکھی دیا

مکرنی (۲) سرب سلونا سب گن نیکا ۔۔۔ وا بن سب جگ لاگے پھیکا
واکے سر پر ہووے کون ۔۔۔ اے سکھی ساجن۔ نا سکھی لون

مکرنی (۳) وہ آوے تب شادی ہوئے ۔۔۔ اُس بن دوجا اور نہ کوئے
میٹھے لاگیں واکے بول ۔۔۔ اے سکھی ساجن۔ نا سکھی ڈھول

انمل

ایک کوئیں پر چار پن ہاریاں پانی بھر رہی تھیں راستہ چلتے چلتے امیر خسرو رح کو پیاس لگی کوئیں پر جاکر ایک سے پانی مانگا اُن میں سے ایک اُنہیں پہچانتی تھی اُس نے اوروں سے کہا کہ دیکھو کھسرو (خسرو) یہی ہے اُنہوں نے پوچھا کہ تو خسرو رح ہے جسکے سب گیت گاتے ہیں اور پہیلیاں اور مکرنیاں اور انمل سنتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ اس پر اِن میں سے ایک بولی کہ مجھے کھیر کی بات کہدے۔ دوسری نے چرخے کا نام لیا۔ اور تیسری نے ڈھول۔ چوتھی نے کتے کا۔ اُنہوں نے کہا کہ پیاس کے مارے دم نکلا جاتا ہے پہلے پانی تو پلا دو۔ وہ بولیں کہ جب تک ہماری بات نہ کہدے گا پانی نہ پلاویں گی۔ اُنہوں نے چاروں کی طرف

مخاطب ہو کر کہا۔

انمل۔ کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا۔ آیا کتا کھا گیا۔ تو بیٹھی ڈھول بجا۔ لا پانی پلا۔

ڈھکوسلا

ڈھکوسلا بھی آپ ہی کی ایجاد سے ہے۔

ڈھکوسلا۔ بھادوں کی پکی پیلی۔ چوچو پڑی کپاس۔ بی مہترانی دال پکاؤ گی۔ یا ننگا ہی سو رہوں۔

دو سخنے

ہندی۔ گوشت کیوں نہ کھایا۔ ڈوم کیوں نہ گایا۔ — گلا نہ تھا

جوتا کیوں نہ پہنا۔ سنبوسہ کیوں نہ کھایا۔ — تلا نہ تھا

ہندی فارسی۔ سوداگر را چہ مے باید۔ بوچے کو کیا چاہئے۔ — دوکان

تشنہ را چہ مے باید۔ ملاپ کو کیا چاہئے۔ — چاہ

شکار بچہ مے باید کرد۔ قوت مغز کو کیا چاہئے۔ — بادام

اس طلسم خانۂ انشا پردازی کی ایک غزل بھی ملاحظہ ہو۔ اس میں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ بنیادِ عشق کی عورت کی طرف سے قائم کی ہے جو کہ خاصہ نظم ہندی کا ہے۔

غزل

زحالِ مسکیں مکن تغافل دُرائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلت چو عمر کوتاہ

دوہڑہ

سکھی پیا کو جو مَیں نہ دیکھوں۔ تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے۔ پیارے پی کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرّہ حیراں ز مہر آں مہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں۔ نہ آپ آویں۔ نہ بھیجیں پتیاں
بحقِ روزِ وصالِ دلبر۔ کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کے ورائے راکھوں۔ جو جائے پاؤں پیا کی کھتیاں[1]

ایجادات متعلق انشاپردازی

اِس بلند خیال اور عالی دماغ باغبان نے گلستان انشاء پردازی میں۔ جو نئے پیوند لگائے ہیں اُن کا اگر مفصل حال بیان کیا جائے تو اُس کے واسطے ایک علیٰحدہ کتاب کی ضرورت ہے جن صاحبوں کو گلستان انشاء پردازی کی سیر کا شوق ہو وہ اُن کی کتاب اعجاز خسروی کو ملاحظہ فرماویں اور دیکھیں کہ اِس صاحب کمال نے کیا کمال دکھایا ہے۔ اس مقام پر نمونہ کے طور چند معمّے مترجم درج کئے جاتے ہیں۔ طریق خاص امیر خسرو رح کا وضع کردہ ہے۔ اور اِس کا قاعدہ یہ ہے کہ معمّہ میں لفظ فارسی کا لاکر عربی میں اور عربی کا لاکر فارسی میں ترجمہ کرکے معمّے کو حل کیا جاتا ہے امیر خسرو رح کا دعوےٰ تھا کہ وہ عربی فارسی ترکی ہندی چاروں زبان کے ہر نام کا خواہ وہ مفرد ہو یا مرکب معمّہ بنا سکتے ہیں۔

[1] تذکرۃ العجائبات۔

ابوبکر۔ رباعی

شب خواجہ ابوبکر بدیدم در راہ — گفتم کہ شوم زسترِ ناشش آگاہ
ما را چو ز دریائے عرب بیروں برد — بر عکس سوار شد ز تیزی ناگاہ

نمونہ کے طور پر اِس معمے کا حل بھی درج کیا جاتا ہے۔

دریا کا ترجمہ عربی میں ابواب ہے اور ما کا ترجمہ آب۔ ابواب میں سے آب کو نکال لیا تو ابو باقی رہا۔ سوار شد کا ترجمہ رکب ہوا۔ اس کو لوٹا تو بکر ہوا اور دونوں کو ملایا تو ابوبکر ہوگیا۔

حسین

اے خواجہ حسین محترم نیکو نام — درنام خود از بندہ شنو رمز بتمام
نیمے ز فرو تیغ یمانی بشکن — وز بالا باز گونہ کن نیم نیام

فاطمہ

امشب کہ مرا بود بہ بازار گذر — ے جستم از فاطمۂ خویش خبر
لفظ اندازی برفت بالائے قمر — ماہے بسرش بود بفتاد ز سر

خدیجہ

آنم کہ مرا وصفِ شما حاجت نیست — نامت چو خدیجہ است ثنا حاجت نیست
رخسارۂ من از سرِ کوششش دیدی — کوشش نیک است رہنما حاجت نیست

ابراہیم

ابراہیم نامم تو چون برخواندم | بوشتم و مشک از سرِ کلک افشاندم
یک سوزنِ موم شکستہ دیدم ناگاہ | اندر تہِ آں نگر کہ حیراں ماندم

زیبا

روے زیبا چو ماہ در مقنع بین | در ذکر وزخش غلغلہ در مجمع بین
او ماہ رفیع نام او ارفع بین | بالاش آبی واز فرودش سع بین

گنگا

گنگا کہ وے از لطف و صفا شد روشن | تا نش برخواں کہ آبت آید بہ دہن
ازدانہ سنبلہ ذنب بیروں بر | وانگاہ بگیر ثور و پالیش بشکن

منقول ہے کہ جب مولانا جمالی کنبوہ دہلوی رح صاحب سیر العارفین ایام سیاحت میں شہر ہرات میں پہنچے۔ درازی سفر سے پریشاں حال تھے۔ قلندرانہ صورت ہو رہی تھی۔ سواے ایک تہ بند کے بدن پر دوسرا لباس نہ تھا۔ اِسی حالت میں مولوی جامی علیہ الرحمۃ کو تلاش کرتے ہوئے اُن کے پاس پہنچے اور سلام علیک کہکے بے دھڑک اُن کے برابر جا بیٹھے۔ مولوی جامی رح کو ایک اجنبی قلندر کی یہ حرکت پسند نہ آئی برافروختہ ہوکر بولے کہ "میان خر و تو چند فرق است" مولانا نے بالشت بیچ میں رکھ دی۔ یہ برجستہ جواب سنکر مولوی جامی رح سمجھے کہ یہ بھی کوئی چیز ہے۔ تحمل سے بولے "کیستی" جواب ملا "از خاکسارانِ ہند" اِن کا کلام وہاں پہنچ چکا تھا، مولوی جامی نے پوچھا "از سخنانِ جمالی چیزے یاد داری" مولانا نے یہ شعر سُنائے ؎

کز کے بوریا و پوستکے | دلکے پُر ز دردِ دوستکے

تنگئے زیر و تنگئے بالا   نے غم دزد و نے غم کالا
ایں قدر بس بود جمالی را   عاشق رند لاؤ بالی را

جامی رح نے فرمایا "طبع شعر داری" مولانا نے فی البدیہ حسب حال یہ مطلع پڑھا ؎

مارا ز خاک کویت پیراہنے ست بر تن   آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بہ دامن

یہ پڑھ کر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بدن برہنہ تھا۔ گرد جمی ہوئی تھی سینہ پر آنسو گر کر گرد چاک چاک ہوگئی جامی رح سمجھ گئے کہ یہی جمالی رح ہیں۔ بیساختہ اُٹھ کر گلے ملے۔ تعظیم و تکریم کی اور نہایت گرم جوشی سے علمی باتیں چھڑ گئیں۔ مولوی جامی رح نے فرمایا کہ امیر خسرو رح کا بھی کوئی معمّا یاد ہے۔ جواب دیا کہ امیر کے معمّے دو قسم کے ہیں ایک قولی دوسرے فعلی۔ کس قسم کا معمّا سناؤں۔ مولوی جامی رح بولے کہ آج تک قولی معمّے سُنے تھے۔ فعلی کیسے ہوتے ہیں۔ مولانا اوّل سیدھے کھڑے ہو گئے۔ پھر خمیدہ ہوئے۔ اِس کے بعد ریش (ڈاڑھی) کو ہاتھ سے جھاڑا۔ اور کہا کہ حضرت امیر خسرو رح کا یہ فعلی معمّا ہے۔ مولوی جامی رح خود عالی دماغ اور نازک خیال تھے فوراً سمجھ گئے کہ یہ معمّا ادریس کے نام کا ہے۔ کیونکہ سیدھے کھڑے ہونے سے الف اور خمیدگی سے دال اور ریش جھاڑنے سے شین کے نقطے اُڑانے سے مراد ہے اِن سب کو ملایا تو ادریس ہوگیا۔ مولانا نے کہا بہت صحیح ہے۔

بابِ ششم

علمیت اور تصنیفات اور اُس پر رائے

انسان جب مرتا ہے تو اُس کا نام بھی مٹ جاتا ہے مگر صاحبانِ تصنیف و تالیف کی زندگی بھی عجیب اور اُن کی موت بھی عجیب ہے کہ مرنے کے بعد بھی وہ زندہ رہتے اور زندہ کہلاتے ہیں۔ اور زندوں کی طرح بولتے چالتے ہیں۔ چشمۂ آبِ حیات جسے ہم سنتے آئے ہیں وہ صرف ایک فرضی اور خیالی چشمہ ہے اسکو نہ کسی نے دیکھا اور نہ اُس کا پانی پیا دراصل آبِ حیات تصنیف و تالیف اور نیک زندگی کا نام ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کو بقائے دوام کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت امیر خسرو رحمہ کے حالات زندگی کی نہایت دل آویز تصویر اُنکی نیک نام زندگی اور تصنیف و تالیف اور اُن کا بے نظیر کلام ہے کہ جس کی وجہ سے اِس صاحبِ کمال کو بقائے دوام کا مرتبہ حاصل ہے۔ زمانہ نے اُنکی تصنیف و تالیف اور مبارک کلام کو قبولیت عام کی سند عطا فرماکر فصاحت کے کتب خانہ میں جگہ دی ہے۔ ہندوستانیوں کے کلام میں جو قبولیت اور شہرت اس منتخب روزگار کے کلام کو حاصل ہوئی ہے وہ بہت کم کسی کے کلام کو نصیب ہوئی اور حقیقت تو یہ ہے کہ سرزمینِ ہند سے اس فرزانہ روزگار نے اُٹھ کر ایرانی اربابِ فضل و کمال پر روشن کردیا کہ فصاحت و بلاغت صرف اُنہیں کا حصہ نہیں ہے اور اپنے اُس دعوے کی تائید میں بڑے بڑے فضلا

اور اہلِ کمال سے محضر لکھوالیا۔ مشرقی شعراء کے سرتاج اور اخلاقی فلاسفروں کے شہنشاہ حضرت **شیخ سعدی** علیہ الرحمۃ نے نہ صرف اُن کے کلام کو پسند کیا بلکہ شاہزادہ محمدؒ سلطان کو یہ بھی لکھا کہ خسرو رحمۃ دہلوی اِس فن میں کامل ہے اِس کو مغتنمات سے سمجھ کر عزیز رکھو[1]۔ عارفِ کامل **مولانا جامی** کا قول ہے کہ امیر خسرو رحمۃ نے ہر میدان میں قدم مارا ہے۔ قصیدے کہے۔ غزلیات کا دیوان لکھا۔ مثنویاں لکھیں۔ اور سب کو کمال کے درجے تک پہنچا دیا۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ ہندی[2] چار زبانوں کے فاضل اور نظم و نثر دونوں میں یکساں کمال رکھتے تھے۔ آپ کی کثرتِ تصنیف و تالیف کا حال اِس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف آپ کی اُن کتابوں کی تعداد۔ جو سلکِ نظم میں منسلک ہیں ننانوے ۹۹ ہے اور آپ کے اشعار کی تعداد علاوہ کلامِ ہندی کے چار اور پانچ لاکھ کے درمیان میں بتائی جاتی ہے۔ حاجی **لطف علیخان** آذر صاحبِ تذکرہ آتشکدہ کا بیان ہے کہ اِس تعداد میں سے ایک لاکھ اشعار خود میری نظر سے گذرے ہیں۔ **ضیاء الدین برنی** صاحبِ تاریخ فیروز شاہی تحریر کرتے ہیں کہ اُن کی تصنیف و تالیف اس قدر ہے کہ نظم و نثر میں گویا اُنھوں نے ایک کتب خانہ تصنیف کر دیا ہے ٭

قاعدہ ہے کہ علمی قدردانی اور کتابوں کی حفاظت امن و امان کے زمانہ

---

[1] تذکرۃ الکاملین ۱۲

[2] حضرت امیر خسرو رحمۃ بھاشا کے علاوہ سنسکرت سے بھی واقف تھے مثنوی "نہ سپہر" میں اپنے سنسکرت سیکھنے کا ذکر اِس طرح فرماتے ہیں۔ من قدرے ز سرِ ایں کار شدم ٭ در دلِ شاں محرمِ اسرار شدم ٭ ہر چہ باندازۂ خود در مز خرد ٭ جستم ازاں قوم و نبود از در رد ٭ ۱۲

میں ہوا کرتی ہے۔ امیر خسرو رح نے زمانہ اچھا پایا خود ان کے عہد اور ان کی وفات سے شہنشاہ اکبر کی پُر امن سلطنت تک (یعنی ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء سے ۹۶۳ھ ۱۵۵۵ء تک) دو سو ڈھائی سو برس برابر طوائف الملوکی کا بازار گرم رہا۔ اگرچہ ہندوستانیوں کی یورپ والوں کی طرح کبھی اس طرف توجہ نہیں ہوئی کہ نامور شعراء اور مصنفوں اور دیگر ارباب کمال کی یادگاریں قائم کرکے ان کی تصنیف و تالیف اور کمالات کی یادگاروں کو حوادث روزگار سے محفوظ رکھنے کا انتظام کرتے مگر اس طوائف الملوکی اور روزمرّہ کے ملکی تغیرات نے اور بھی کسی کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ اور سیکڑوں ہزاروں نادر و نایاب کتابیں کس پرسی کی حالت میں ہمیشہ کے لئے صفحۂ دنیا سے نیست و نابود ہو گئیں۔ اس کے بعد اکبر و جہانگیر اور شاہ جہاں اور عالمگیر کی پُر امن سلطنت میں ان کی علمی قدردانی سے جو ذخیرہ جمع ہوا اس میں سے کچھ تو ۱۸۵۷ء کے خوفناک غدر میں ضائع ہو گیا اور جو کچھ باقی بچا تھا وہ ہم جاہلوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ہماری صحبت سے بیزار ہو کر قدردانان علم و فضل یعنے اہل یورپ کے کتب خانوں کو ہجرت کر گیا اور ان کی زیب و زینت کا باعث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان نادر

۱؎ یورپ میں اس وقت دو لاکھ سے زیادہ مشرقی قدیم کتابیں مختلف کتب خانوں میں نہایت احتیاط اور آراستگی سے رکھی ہیں سب سے زیادہ نایاب مجموعہ پیرس و فرانس میں ہے فلارنس، روم، ویانا، سینٹ پیٹرزبرگ وغیرہ میں زیادہ تر مشرقی مجموعہ فراہم ہے۔ آکسفورڈ کی لائبریری میں پروفیسر ساجاکی کی مرتب کی ہوئی فہرست کے موافق ۱۸۸۹ء تک فارسی کی دو ہزار اڑتیس قلمی کتابیں داخل تھیں جس میں ستائیس کتابیں امیر خسرو کی تصنیف سے تھیں۔ کیمبرج یونیورسٹی میں ۱۸۹۶ء تک تین ہزار سے زیادہ قلمی کتابیں مشرقی زبانوں کی موجود تھیں برٹش میوزیم لندن میں مختلف اقسام کی ساٹھ ہزار قلمی کتابیں جمع ہو چکی ہیں جن میں دس ہزار

کتابوں یا ایک کتب خانہ میں سے صرف چند کتابوں کے نام جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں ہمیں معلوم ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

مثنوی قران السعدین۔ مثنوی مطلع الانوار۔ مثنوی شیرین خسرو۔ مثنوی لیلی مجنون۔ مثنوی آئینۂ اسکندری یا سکندر نامہ۔ مثنوی ہشت بہشت۔ مثنوی خضر نامہ یا خضر خان و دول رانی۔ مثنوی نہ سپہر۔ مثنوی تغلق نامہ۔ خزائن الفتوح یا تاریخ علائی۔ انشائے خسرو یا خیالات خسرو۔ رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی۔ افضل الفوائد۔ راحت المحبین۔ خالق باری۔ جواہر البحر۔ مقالہ۔ قصہ چہار درویش۔ دیوان تحفۃ الصغر۔ دیوان وسط الحیات۔ دیوان غرۃ الکمال۔ دیوان بقیہ نقیہ۔

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ چند نسخے اُن کی تصنیف سے علم موسیقی وغیرہ میں بھی ہیں۔

منقول ہے کہ جب امیر خسرو رح کوئی کتاب ختم فرماتے تھے تو اول اُس کو حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت بابرکت میں پیش کرتے تھے۔ آپ اسکو اپنے دست مبارک میں لے کر فاتحہ پڑھتے اور بعد فاتحہ پڑھنے کے امیر خسرو رح کے ہاتھ میں دیدیتے تھے اور بعض مرتبہ کتاب کھول کر چند سطریں بھی پڑھ لیتے تھے۔ یہ بھی مشہور چلا آتا ہے کہ امیر خسرو رح نے ایک کتاب گلستاں کے جواب میں بھی لکھی تھی جب اسکو حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں بغرض فاتحہ لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ کل لانا اور اپنی چادر امیر خسرو رح کو دی کہ آج اس کو اوڑھ کر سو رہنا۔ امیر خسرو رح

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸) طلائی ہیں۔ انڈیا آفس لندن میں بے شمار مشرقی کتابیں جمع ہیں۔ ان میں سیکڑوں کتابیں ایسی ہیں جو خود مصنفوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں یا اُن پر مصنفوں کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں۔ ان کے علاوہ یورپ میں خانگی اشخاص کے ہاتھوں میں بھی ہزاروں نایاب مشرقی کتابیں موجود ہیں۔

(ماخوذ از ایشیائی شاعری)

حسب ارشاد چادر اوڑھ کر سوئے۔ خواب میں دیکھا کہ دربار میں حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں اور ایک شخص حضرت کے روبرو کھڑا ہوا کسی کتاب میں سے کچھ پڑھ رہا ہے۔ امیر خسرو رح نے جب غور سے سنا تو معلوم ہوا کہ وہ یہ قطعہ پڑھ رہا ہے۔

بلغ العلےٰ بکمالہٖ	کشف الدجےٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ	صلوا علیہ والہٖ

اس کے بعد امیر خسرو رح نے دیکھا کہ دربار کے ایک کونے پر حضرت سلطان المشائخ رح دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں۔ جب صبح ہوئی امیر خسرو رح نے حضرت سلطان المشائخ رح کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب کا حال بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری کتاب اس صاحب کمال (شیخ سعدی رح) کی گلستاں کے مقابلہ میں کبھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ امیر خسرو رح نے اسی وقت جمنا پر جا کر وہ کتاب جمنا میں ڈبو دی۔

امیر خسرو رح کی فصاحت و بلاغت کی جو عظمت اور عقیدت ہندوستانیوں کے دل میں ہے وہ ذیل کے لطیفے سے بخوبی واضح ہوتی ہے ؎

لطیفہ۔ ایک دن مرزا غالب مرحوم کے ایک شاگرد رشید نے ان سے آکر کہا کہ حضرت آج میں امیر خسرو رح کی قبر پر گیا تھا۔ مزار پر کھرنی کا درخت ہے۔ اس کی کھرنیاں میں نے خوب کھائیں۔ کھرنیوں کا کھانا تھا کہ گویا فصاحت و بلاغت کا دروازہ کھل گیا۔ دیکھئے تو میں کیسا فصیح ہو گیا ہوں۔ مرزا صاحب نے ازراہ ظرافت جواب دیا کہ ارے میاں تین کوس کیوں گئے۔ میرے پچھواڑے کے پیپل کی پیلیاں کیوں نہ کھالیں۔ چودہ طبق روشن ہو جاتے۔

حضرت امیر خسرو رح کی تصنیف و تالیف مندرجہ بالا کا مختصر نوٹ یہ ہے۔

مثنوی قران السعدین

یہ مثنوی حضرت امیر خسرو رح نے سلطان معزالدین کیقباد کی فرمایش پر اُسکے اور اُس کے باپ ناصرالدین بغراخاں کی ملاقات کے حالات میں لکھی ہے اور آج جو کتابیں اُن کی تصنیف و تالیف سے موجود ہیں اُن میں سب سے پہلی تصنیف ہے۔ پروفیسر کاویل صاحب نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جنرل ۱۸۶۰ء میں اس کتاب کی چند تمثیلیں تحریر فرماکر اس کی نسبت حسب ذیل راے تحریر فرمائی ہے۔

یہ نظم جیسا کہ امیر خسرو رح کی کل تصنیفات کا حال ہے مبالغہ اور استعارات سے آراستہ ہے لیکن تاریخی واقعات عموماً سچائی کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت کم نظمیں کسی زبان میں اصلی ترتیب اور واقعات کی خوبیوں کا نباہ کر سکتی ہیں اور جب ہم تاریخ فرشتہ کی تحریر کا مقابلہ شاعرانہ حالت میں دیکھتے ہیں (یعنی تاریخی واقعات کو نظم میں پاتے ہیں) تو ہم کو اُن کے اصلی مضمون کی مشابہت سے تعجب ہوتا ہے۔ جگہ جگہ واقعات کے اخیر میں غزلیں درج ہیں۔ جن سے شاعر کے دلی جذبات کا اُس زمانے کے حالات سے مطابق ہونے کا پتہ چلتا ہے جس زمانے کا حال اُس واقعہ میں بیان کیا گیا ہے اور اُس کی مثال بالکل اُن گیتوں کے مطابق ہے جو ٹینین کی کتاب پرنسیس کے حصوں کے درمیان میں لکھے گئے ہیں۔ غزلیں مختلف بحروں میں ہیں اور کہیں کہیں دوران کتاب میں آکر جدت کا ایک خاص لطف پیدا کر دیتی ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی اُن سے قصے کے واقعات اور اُن جذبات امید و بیم کی جو ناظرین کے دلوں میں واقعات قصہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ سرسری تشریح بھی ہوجاتی

ہے اور چونکہ شاعر خود برابر معرکے میں موجود رہا تھا اس وجہ سے وہ واقعات میں پورا دخل رکھتا ہے اور اس طرح سے اس کتاب میں رزم اور بزم کی غزلیات نہایت پر لطف طور سے ملی ہوئی ہیں اور واقعات کے ہر حصہ کے نظری اور ذہنی دونوں پہلو دکھلائے گئے ہیں۔

اس مثنوی کو امیر خسرو رحمہ نے رمضان ۶۸۹ھ (۱۲۸۹ء) میں تین مہینے کے عرصہ میں خلعت نظم پہنایا ہے اس میں تین ہزار نوسو انچاس (۳۹۴۹) بیتیں ہیں۔ یہ چھپ گئی ہے اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے بخوف طوالت کسی واقعہ یا غزل کی پوری نقل درج کرنے سے معذور رہ کر بطور نمونہ مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کی جاتی ہیں۔

دہلی کی تعریف میں

حضرتِ دہلی کنفِ دین و داد ۔ جنتِ عدن است کہ آباد باد
ہست چو ذاتِ ارم اندر صفات ۔ حرسہا اللہ عن الحادثات
ملک ز دروازۂ او فتح یاب ۔ سیزدہ دروازہ و صد فتح باب
نام بلندش رہِ بالا گرفت ۔ تا بہ خلق شد رہِ عیسا گرفت
گر شنود قصۂ ایں بوستاں ۔ مکہ شود طائفِ ہندوستاں

کیقباد کے نسب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں

نور جد از جبہۂ او تافتہ ۔ فرِّ جد از فرِ جد خود یافتہ
شمس جہانگیر جد با فرش ۔ اظہر من شمس جدِ دیگرش
ناصرِ حق شاہ فرشتہ سرشت ۔ بوئے خوشش نسخۂ باغ بہشت
جد سوم شاہ غیاثِ امم ۔ حاکمِ فرماں ز عرب تا عجم
بر سہ جدش کعبۂ ارکانِ جود ۔ کردہ دو عالم سہ جدش را سجود

نصائح بزبان ناصر الدین بغرا خاں

اے پسر از ملک و جوانی مناز — تا ز بدو کن کہ شد او بے نیاز
گرچہ سیاست ز تو شد دستیاب — دستِ ضعیفاں بسیاست متاب
خشم بہر جرم میاور بہ کس — در آتشِ سوزندہ نگہدار خس
چوں بگناہ معترف آید کسے — عفو نکوتر ز سیاست بسے
چشمِ رعایت ز رعیت مگیر — تا بودت ملک عمارت پذیر
شاخ درختے کہ بود سایہ دار — سایہ نشیں را بود از وے مدار
چوں تو شدی سایۂ یزدانِ پاک — سایہ فشاں باش بریں مشت خاک
عدل بود مایۂ امن و اماں — پیشہ کن ایں مایہ زمیں تا زماں
دولتِ جاوید ببرد است کس — نام نکو دولتِ جاوید بس
ہر نفس از عمر غنیمت شمر — یاد کن از ملک ورانِ دگر
کاول شاں چرخ بہ بالا کشید — و آخر شاں خاک بہ خلا کشید
قصۂ ضحاک ہمیدوں بخواں — نامۂ جمشید و فریدوں بخواں
نیک و بد از دفترِ ایشاں بجوے — نیک بخاطر کن و بد را بشوے
پیشہ نکوئی کن و از بد بترس — از بدِ کس نے ز بدِ خود بترس
خود ز مکافات و جزا ہر زماں — ہر چہ کنی نیز بیابی ہماں
ترس خداوند جہاں کن بہ دل — تا ز خداوند نمانی خجل
کار چناں کن کہ بہنگام کار — از درِ یزداں نشوی شرمسار

متفرق نصائح بجانب امیر خسرو رح

ترک طمع گیر۔ و خود شرم دار — تا نشوی چوں بخیلاں شرمسار
گرسنہ نانے کہ دریں تنگنائے — ناں ز کسے میطلبی نہ از خداے

تشنہ میر آب زدو ناں مخواہ — خوں خور و از خوانچہ شاں ناں مخواہ
دل بقناعت نہ و خورسند باش — مملکت این است خداوند باش
خود کن و آشام بخوناب خویش — از پئے نانے چہ بری آب خویش

مطلع الانوار۔ شیرین خسرو۔ لیلی مجنوں۔ آئینۂ اسکندری۔ ہشت بہشت

یا

پنج گنج خسرو رح

شیخ نظامی گنجوی رح نے جو استاد الآفاق اور سرتاج مثنوی گویاں ہیں۔ پانچ مثنویاں اِس خوبی اور فصاحت و بلاغت سے لکھی ہیں کہ اصحابِ فصاحت اور اربابِ بلاغت نے ان کو خدائے سخن کے نام سے موصوف کیا ہے۔ مثنویاں جو خمسہ نظامی کے نام سے مشہور ہیں حسب ذیل ہیں۔

مخزن اسرار۔ خسرو شیریں۔ لیلی مجنوں۔ ہفت پیکر۔ سکندر نامہ۔ ان کی ترتیب کی نسبت مولانا نظامی سکندر نامہ میں فرماتے ہیں۔

بسے گنجہائے کہن ساختم — در و گنجہائے نو انداختم
سوے مخزن آوردم اول بسیچ — کہ سستی نکردم دریں کار ہیچ
وز و چرب شیریں ترانگیختم (مخزن اسرار ۱۲) — بشیرین و خسرو درآمیختم
وز آنجا سراپردہ بیروں زدم — در عشق لیلی و مجنوں زدم (شیرین خسرو ۱۲)
چو از عشق مجنوں بپرداختم — سوے ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بر بساطِ سخن گستری — زنم کوس اقبال اسکندری (سکندر نامہ ۱۲)

یہ خمسہ مولانا نظامی کا ۵۹۷ھ میں تکمیل کو پہنچا اور ایسا مقبولِ خلایق ہوا کہ عام

طور سے مشہور ہو گیا کہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا اور اس زمانے سے سو برس تک اسی شد و مد کے ساتھ مشہور چلا آیا مگر کسی فاضل شاعر کی ہمت نہ پڑی کہ اس کے جواب میں قلم اٹھاتا۔ سب سے پہلے امیر خسرو رح نے اپنے عہد میں اس کے جواب میں قلم اٹھایا اور دو تین برس کے عرصے میں سنہ ۷۰۱ھ ۱۳۰۱ء میں اس کے جواب میں اپنا پنج گنج ختم کر کے اس کو سلطان علاؤ الدین خلجی کے نام سے موسوم کیا[۱]
مطلع الانوار میں اس کی نسبت فرماتے ہیں۔

گشت چو نقدِ ہمہ قلب آزمائے ——— سلیہ بریدم ز ہمہ چوں ہمائے
دبدبۂ خسرویم شد بلند ——— غلغلہ در گور نظامی (گنجوی ۱۲) فگند
آں روشنے بود ز اندازہ دور ——— عطسہ درآمد بہ دماغم ز نور
نور کہ از خواجہ نظامم (سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ) رسید ——— کام ازاں رو بہ نظامم رسید
گرچہ برو ختم سخن (نظامی رح) مہر بست ——— سکۂ من مہر زرش را شکست
خاتم او را چو کشادم نگیں ——— داد نگینش بمن انگشتریں
خاتمش از ملک بسلطاں سپرد ——— خاتمِ دولت بہ سلیماں سپرد
آں گہر آرم کنوں از کانِ غیب ——— کاب شود عقد ثریا بہ جیب
گرچہ بہ ملکِ سخن از پنج گنج ——— نوبت آں گنجہ نشیں (مولانا نظامی ۱۲) گشت پنج
نوبتِ خسرو کہ بسیچش نو است ——— پنجہ زن نوبت آں خسرو است

[۱] امیر خسرو رح کے بعد بھی خمسہ مولانا نظامی رح کے جواب میں بہت سے شعرا نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ خواجو کرمانی۔ ملا ہاتفی عبد اللہ جامی (مولانا نور الدین جامی رح کے بھانجے تھے) صاحبؒ دولتی۔ ملک الشعرا ابو الفیض فیضی۔ لیکن خمسہ نظامی کے جواب میں جو کامیابی امیر خسرو رح کے پنج گنج اور فیضی کی ایک مثنوی نل دمن کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے جواب کو نصیب نہیں ہوئی +

سازم ازاں سال برائے سپنج	پنج کلید از پئے آں پنج گنج
کانچہ بہر گنج بود ناپدید	گنج شود ہم بزبانِ کلید
آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں	فرق ندانند ازیں تا بداں
یک سخن را چو گرفتم بہ تیغ	گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

امیر خسرو رح نے خمسہ نظامی کے جواب میں اپنے پنج گنج کو اس طرح پر ترتیب دیا ہے۔

مخزن اسرار کے جواب میں		مطلع الانوار
خسرو شیریں کے	"	خسرو شیریں
لیلی مجنوں کے	"	لیلی مجنوں
ہفت پیکر کے	"	ہشت بہشت
سکندر نامہ کے	"	آئینۂ اسکندری

ہشت بہشت میں فرماتے ہیں۔

دادی اول بہ گنبد دوار	روشنائی ز مطلع الانوار
کردی آنگاہ بانشاطِ تمام	شہدِ شیریں و خسرو اندر جام
باز در عالمِ خردمندی	شورِ لیلی و مجنوں افگندی
پس وہاں پر گہر دری کردی	شرحِ رازِ سکندری کردی
ویں زماں کز جواہرِ انجم	مے نگاری صحیفۂ ہشت بہشت

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں کہ امیر خسرو رح کے خمسہ (پنج گنج) میں انتیس ہزار اور خمسہ مولانا نظامی رح میں اٹھائیس ہزار بیتیں ہیں۔ خمسہ امیر خسرو رح میں اختصار ہے جو فصاحت و بلاغت میں مطلوب و مرغوب ہے۔ اور امیرزادہ سلطان سعید بالسینغر[1] اس کو خمسہ مولانا نظامی رح پر ترجیح دیتے تھے لیکن

[1] مرزا بالسینغر مرزا شاہرخ ابن امیر تیمور کا بیٹا تھا۔ یہ شاہزادہ نہایت شریف پر مذاق قابل تھا۔ خود چھ زبانوں میں لکھ پڑھ سکتا تھا۔ فارسی اور ترکی زبان میں اشعار موزوں کرتا تھا۔

خاقان[1] الغ بیگ اس بات کو قبول نہیں کرتے تھے اور دونوں بادشاہوں میں اس معاملہ میں تعصب پیدا ہو گیا تھا۔

اس کے بعد فاضل مذکور نے اپنی رائے خمسہ امیر خسرو رح کی نسبت یہ لکھی ہے القصہ معانی خاص وناز کیہائے خسرو وسخنان پرشور عاشقانہ او آتش درنہاد آدمی بیزند و در توجیہ ایں دُو بیت امیر خسرو است۔

قطرہ آبے نہ خورد ماکیاں　　　تا نکند روے سوئے آسماں

و در معراج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مے فرماید

برآں آئینہ دل واجب است آہ　　　کہ بر معراج او شک را دہد راہ

و در نازکیہائے خمسہ او اگر فکر کنند نکتہا نیست کہ وصف تواں کرد از انجملہ است۔

خرے را کہ تیمار خربندہ کشت　　　سہ جو در شکم بہ کہ سی من بہ پشت

وازیں نوع ظرائف فراواں است۔

مطلع الانوار

حضرت امیر خسرو رح کے علوم وحکمت کے پنج گنج کا پہلا گنج مطلع الانوار ہے ایں

بقیہ حاشیہ نمبر ۹۶) علماء کی قدردانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ اس کی سرکار میں ہمیشہ چالیس نقل نویس پرانی نادر ونایاب کتابوں کے نقل کرنے کے واسطے ملازم رہتے تھے۔ سنہ ۸۰۲ھ/۱۳۹۹ء میں پیدا ہوا اور ۳۵ برس کی عمر میں ۸۳۷ھ/۱۴۳۳ء بمقام ہرات فوت ہوا۔

[1] مرزا الغ بیگ۔ یہ شاہزادہ بھی مرزا شاہرخ ابن امیر تیمور کا بیٹا تھا۔ علم اور اہل علم کی قدردانی اور علم نجوم میں بہت مشہور تھا۔ چالیس برس تک اس نے اپنے باپ کی زندگی میں سمرقند میں حکومت کی اور باپ کی وفات کے بعد ۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء میں اس کا جانشین ہوا۔ تخت نشین ہو کر بھی ہمیشہ کتب بینی میں مشغول رہتا تھا۔ رمضان ۸۵۳ھ مطابق ۲۷۔ اکتوبر ۱۴۴۹ء میں اس کے ناخلف بیٹے مرزا عبداللطیف نے اس کو قید کر کے قتل کر ڈالا۔

شناور دریائے حقیقت اور غواص بحر طریقت نے اس اخلاق و تصوّف کے خزانے میں شریعت و طریقت اور حقیقت کے نادر و نایاب نورانی گوہر اس خوشنمائی سے سجائے ہیں کہ اگر اس کو مطلع انوار الٰہی کہیں تو خوش نما ہے یا معجزۂ خسروی کہا جاوے تو بجا ہے۔ اس طلسم خانۂ حقیقت کو جو اس صاحب کمال کے کمالات کا سچا نوٹو ہے اس جادو نگار نے صرف چودہ دن کی قلیل مدت میں اپنے سحر سازی سے سجا کر اپنے بے نظیر قادر الکلامی اور کمالات معنوی کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں بیس مقالہ اور تین ہزار تین سو دس بیتیں ہیں۔ ۶۹۰ھ / ۱۲۹۰ء کی تصنیف ہے یہ چھپ گئی ہے۔ اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔ اختتام پر آپ فرماتے ہیں۔

شکر خدا را کہ بفضلِ خدا ے ... گشت مزیّن چو بہشت ایں سرا ے
بیست خزینہ است در و پُر ز گنج ... بیست خزینہ ز صد و بست و پنج
در ہمہ بیت آوری اندر شمار ... سی صد و دہ بر شمر و سہ ہزار
از اثرِ اخترِ گردوں خرام ... شد بہ دو ہفتہ ایں ہمہ کامل تمام
سال کہ از چرخ کہن گشت بود ... از پس ششصد نود و ہشت بود
چرخ کہ خورشید جنابش نوشت ... مطلع انوار خطابش نوشت

ناظرین۔ اس گلستانِ حقیقت سے یہ خوش نما گلدستہ مرتب کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

آنکہ بہ زندانِ جہالت گم است ... ہست گدا گرچہ ورش صد تم است
مرد کہ از علم توانگر بود ... گے نظرش بر گہر و زر بود
عالم اگر چاشت ندارد ز شام ... جاہل اگر خسرو روم است و شام
گر نہ بانصاف شوی پردہ دوز ... حیف بود در حقِ جاہل ہنوز
اہل نہ گردد بہ عمارہ سفیہ ... خر نہ شود از جل دیبا فقیہ

از بنِ خویش کشا سینه را / پایه مکن نسبتِ دیرینه را
آب گہرہاے کہن را مجوے / ور چو کہن گشت بود زرد روے
زنده به مرده مشو اے ناتمام / زنده تو کن مردهٔ خود را بنام
زنده کنِ مرده مسیحا فراست / وانکه دم از مرده برآرد خر است
از پدرِ مرده ملاف اے جواں / گرسنگی چوں خوشی از استخواں
فائدهٔ علم همین است خاص / کت وهد از چاه تکبر خلاص
چوں زند از هرزه مذکرِ نفیر / بوالعجبی باشد هنگامه گیر
آنکه نداند رقمے بهر نام / به ز فقیهے که بود ناتمام
علم چناں خواں که ز بس زندگی / خواب تو باشد شرف بندگی
چوں تو ئی از شاهد و مے حیله جوے / علم مگو خواب پریشانش گوے
چند تواں ساغرِ پنهاں زدن / پس نفس از رخصتِ قرآں زدن
زشت بود زهر به نوشینه در / باده و قرآں به یکے سینه در
حافظِ قرآں چو خورد باده هے / کفر بود شستنِ قرآں به مے
خامه مزن سوختنِ عامه را / آلتِ تزویر مکن خامه را

خطاب بسوے قاضیاں و مفتیاں

عالمِ بے کار (بے عمل) نیابد برے / گرچه بصد حیله برآرد سرے
هرچه به هنگام نه گوید کسے / خامشی از گفت نکوتر بسے
قولِ سه کس (سخن بیہوده) نیست بد هر استوار / شاعر و قرعه زن (رمال) و اختر شمار (منجم)
مرد بود کم سخن و تازه روے / قهقهه در خندهٔ گلها مجوے
کس نکند از سخنِ نرم بیم / وز سخنِ سخت ترسد سلیم
تیز مکن تیغِ زباں در دهاں / تا نبرد حلق ترا در زماں
سر نبرد سوے خموشاں کسے / زخم خورد مرد سخن گو بسے

هرچه لبت را به سخن ده دروست　　جائزهٔ قد سمع الله دروست
چوں شنونده است خدا مو بموے　　هرچه نیرزد بشنو آں مگوے
گوش منه بر لب غیبت گراں　　تا تو هم انباز نباشی در آں
راه مده هیچ کسے را به گوش　　ور دهی از پنبه دهانش بپوش
نے همه گفتار از انساں خوش است　　هرچه پسندیده بود آں خوش است
هرچه بدہر آدمی است و پری　　نیست گر بهر پرستش گری
جامهٔ اسلام بر اصحاب ریو　　پر فرشته است کمس ران دیو
ویں نه لباس است که تلبیس ماست　　ویں نه خیال است که ابلیس ماست
راکع و ساجد شده تن چوں هلال　　پوبه زناں مشرق و مغرب خیال
هوش میخانه و ورد خداے　　واے بریں طاعت آلوده واے
نقش الٰہی ست به لوح جبیں　　بر در مخلوق منه برزمیں
واے که تا چند چو افسردگاں　　سجده کنی بر در ایں مردگاں
اے که گذاری به جنازه نماز　　سجده نه دانی که ندارد جواز
زشت نمازے که ریا شان اوست　　مزبلهٔ دیو در ارکان اوست
اے همه در جمعه و عیدت نماز　　کے بود آیت ز در بے نیاز
نیست نماز آنکه کنی بے خشوع　　وز دی ارکاں به سجود و رکوع
سجده نباشد که بروے زمیں　　بر صفت مرغ شوی دانه چیں
تو به چنیں چیدن دانه ز خاک　　چوں پری اندر صف مرغان خاک
کن به نمازت همه ارکاں درست　　تا که شود خانهٔ ایماں درست
ساخته کن بارے ز ارکاں سراے　　بر که دهد شمع حضورت خداے
اے شده بازیچهٔ دست هواے　　کرده رواے بره ناروا اے

زهد و بال ایں چه پریشانی است — ترک خدا ایں چه مسلمانی است
هیچ کس از بنده خود آزاد نیست — هیچ ولے راز خدا یاد نیست
هر که ز پرهیز پذیرد نصیب — از پئے دارو نرود بر طبیب
نوش چو پر شد بهلاکت کشد — آب چو بگرفت بخاکت کشد
چیست شراب آب شر آمیخته — نقل کبابے نمکش ریخته
خوردنِ مے هر بدِ راست سر — وانکه بدش میخورد آں خود بتر
خلق و تواضع که ز مستاں بود — شعبدهٔ باده پرستاں بود
شرب وز نا تیره کند رائے را — شاهد و مے سست کند پاے را
مرده آں شد که ز شهوت نه رست — مرد کسے داں که ز شهوت برست
تا دلت از ترس نلرزد چو بید — مغفرت آید مدار از امید
خوف و رجا هر دو به ایماں درند — نور و دخاں هر دو به قرآں درند
علم گرت نیست ذخیره ز پس — فاتحه ات از سرِ اخلاص بس
هست بسے صوفیِ پشمینه پوش — کش نرسد بانگِ موذن بگوش
چوں ز میش دور به سلطاں شود — تند به محراب خراماں شود
صوفی مے خواره که گوید ز حال — گر همه کشف است مداں جز خیال
دعوئے فقر و عملِ زر مرام — فقر کدام است و تجارت کدام
رند بتقامر که بود پاک باز — به ز عبادت گرِ با حرص و آز
عاشقِ زر عاشقِ درگاه نیست — زانکه دوئی در خورِ ایں راه نیست
نانے اگر هست تغیر نه جو — از پئے لوزینه دو ناں مدو
ضامنِ روزی تو روزی رساں — دیدهٔ کورِ تو نبوئے جهاں
گر شمری دوست کسے را شمار — کو بود اندر غم و شادیت یار

دوست کہ در شادی و غم نیست دوست
از دو چہ شوی شاد کہ خود غم ہم اوست

یار چو در کار نباشد عمِ است
کار کہ بے یار بر آید کم است

یار غرض جوے فراواں بود
آنکہ کشد بار تو یار آں بود

گرد تو چشم پدرت دید خار
از پسرِ خویش ہماں چشم دار

ہر چہ تو انگہ بہ توانا فگند
واں کہ گہر باز بہ دریا فگند

خسرو شیریں

پنج گنج کے دوسرے گنج خسرو شیریں کا اب نام ہی باقی رہ گیا ہے۔ یہ مثنوی عام طور سے دستیاب نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ کسی بڑے کتب خانہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہو۔ میں نے بہت تلاش کیا مگر مجھے اس کا کوئی نسخہ نہیں ملا۔ تذکرہ آتشکدہ سے اس کی چند بیتیں نقل کیجاتی ہیں۔

سرِ نامہ بنامِ آں خداوند
کہ دلہا را بہ دلہا دادہ پیوند

زہے نقاشِ صورت ہائے زیبا
کہ مشتِ خاک ازو شد روے زیبا

کرشمہ داد چشمِ نیکواں را
شکارِ شیر فرمود آہواں را

چناں بنگاشت گیسوے گرہ گیر
کہ نتواں داشت دلہا را بہ زنجیر

رخے اندک بہ سبزی میل کردہ
بہارے از کفِ خضر آب خوردہ

بہ گندم گوں وسیلِ آدمی زاد
نخست ایں فتنہ آدم کرد بنیاد

عرق کز روے آں طناز میریخت
کرشمہ مے چکید آنا کہ میریخت

نمکدانی بہ تنگی چوں دلِ مور
نمک چنداں کہ در عالم فتد شور

ملا عبد القادر بدایونی فیضی کی مثنوی نل دمن کی تعریف میں لکھتے ہیں۔
کہ حق تو یہ ہے کہ ایسی مثنوی اس تین سو برس میں امیر خسرو رح کی مثنوی خسرو

شیریں کے بعد ہندوستان میں شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔

لیلی مجنوں

۶۹۸ھ (۱۲۹۹ء) میں امیر خسرو رح نے کشور عشاق کے شہنشاہ مجنوں اور معشوقان جہاں کی سرتاج لیلے کے مشہور و معروف عشقیہ قصہ کو نہایت نزاکت و لطافت اور بلند پروازی سے نظم کرکے اپنے پنج گنج کا تیسرا گنج آراستہ کیا۔ اس میں دو ہزار چھ سو ساٹھ (۲۶۶۰) بیتیں ہیں۔ اور ہر بیان سے شیریں کلامی ٹپکتی ہے بخوف طوالت اس کے کسی بیان کی پوری نقل درج کرنے سے معذور رہکر مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کی جاتی ہیں۔ یہ مثنوی چھپ گئی ہے اور عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔

مناجات باری تعالے

اے عذر پذیر عذر خواہاں — عفوِ تو شفیع پُر گناہاں
خسرو کہ کمین بندہ تست — در ہر چہ فتد فگندہ تست
آں را کہ تو افگنی بہ ہر زیست — برداشتنش بہ بازوِ کیست
ہر چند تنِ گناہ پرورد — در حضرتِ قرب نیست درخورد
با ایں ہمہ گر پذیری ایں خاک — نقصاں چہ رسد بہ عالمِ پاک
از یادِ خودم کن آنچناں شاد — کز ہستئے خود نیایدم یاد

وصف لیلی

بود از صفتِ آں بتانِ چوں ماہ — ماہے کہ زدہ آفتاب را راہ
لیلی نمے کہ مہ غلامش — خالش نقطے ز نقش نامش
مشعل کشِ آفتاب و انجم — دیوانہ کنِ پری و مردم

تاراج گرِ متاعِ جانها   بنیاد شگافِ خان و مانها

سلطانِ شکرلبانِ آفاق   لشکرشکنِ شکیبِ عشاق

گردن زنِ عافیت فروشاں   تشویش دہِ صلاح کوشاں

سرتا قدمش کرشمہ و ناز   ہم سرکشِ حسن و ہم سرانداز

نازی و ہزار فتنہ در سر   چشمے و ہزار کشتہ در شہر

چشمش ز کرشمہ مست و مدہوش   آہوبرہ بخوابِ خرگوش

خنداں چو سمن بہ تازہ روئی   شیریں چو شکر بہ تلخ گوئی

از وسوسہ چشم دیو بستہ   تسبیح فرشتگاں گسستہ

نے بت کہ چراغِ بت پرستاں   طاؤس بہشت و کبکِ بستاں

معجون لبش بہ درفشانی   پروردہ بہ آبِ زندگانی

ہمخوابہ لالہ گیسوانش   ہمشیرۂ انگبیں دہانش

خورشید غلام زادۂ او   مہ داغ جبیں نہادۂ او

اندر صفِ آں بتانِ شیریں   چوں زہرہ بہ ثور و مہ بہ پرویں

وفاتِ مجنوں

مجنوں ز میانِ انجمن جست   وافتاد بہ دخمۂ لحد پست

بگرفت عروس را در آغوش   برداشت برے و دوش بادوش

دو اخترِ سعد را بہ پاکی   افتاد قراں بہ برجِ خاکی

خویشانِ صنم ز سترِ آں کار   جستند بغیرت اندر آں غار

تا شاد کنند چشمِ خوں ریز   بر کشتہ زنند خنجرِ تیز

چوں دست بہ پنجہ در زدندش   بے چاک غضب ببر زدندش

او از سرِ پنجہ بے خبر بود   پنجش بہ شکنجۂ دگر بود

باہم شدہ بود پوست با پوست — پرواز نمودہ دوست با دوست
کردند نخست آزمونش — ازجاں رمقے نداد خونش
بازو کہ حمائلِ صنم گشت — از ہم نکشاد بسکہ ضم گشت
افتاد بہ مغزشاں غبارے — گویا ز جدا کنند بارے
پیرے دوسہ از بزرگواراں — گفتند بہ چشم سیل باراں
کایں کار نہ شہوت وہوا ایست — سرّے ز خزانۂ خدا ایست
ورنہ بہ ہوس کسے نہ جوید — کز جانِ عزیز دست شوید
خوش وقت کسے کہ از دلِ پاک — در راہِ وفا چنیں شود خاک
وصل ارچہ بہ اہلِ دل وبال است — وصلے کہ بود چنیں حلال است
نفسے کہ نباشدت ہوا رام — آرامش زکجا شود دوام
گر عاشقی ایں مقام دارد — تقوے بہ جہاں چہ نام دارد
تا ہر دو نہ در مغاک بودند — ز آلائشِ نفس پاک بودند
و امروز کہ شہر بند خاکند — پیداست کہ خود چہ گور پاکند

آئینۂ سکندری یا سکندر نامہ

پنج گنج کے چوتھے گنج یعنے آئینۂ اسکندری یا سکندر نامہ کا اب پتہ نہیں چلتا باوجود تلاش بسیار کسی تاریخ یا تذکرہ سے اس کا نمونہ بھی نہیں ملا

ہشت بہشت

پنج گنج کا پانچواں اور آخری گنج ہشت بہشت ہے۔ اس میں اخلاق پند و نصیحت کے بیش بہا اور نادر و نایاب جواہرات کو بہرام گور شاہ ایران کے

حسن معاشرت۔ عیش عشرت۔ عشق و محبت کے دل چسپ افسانوں کے پیرایے میں نہایت سادہ اور سلیس زبان میں اس نزاکت و لطافت سے آراستہ کیا ہے کہ انسان دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے ظاہر بیں اس کے ظاہری عجیب و غریب افسانوں کو پڑھ پڑھ کر وجد کرتے ہیں اور علمائے دقیقہ شناس ادراک معانی سے عقل و کیاست فہم و فراست کا سبق حاصل کرتے ہیں۔

امیر خسرو رح خود فرماتے ہیں۔

کوشش کیں خط چناں نگارے چست — کہ فزوں آید از چہار نخست
گاو لیں نکتہ گرچہ چست بود — آخریں بہتر از نخست بود
گویم افسانہائے طبع فزائے — از لبِ لعبتِ فسانہ سرائے
ہر فسانہ صراحئے ز شراب — دورِ مستی و بلکہ دارو خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم — حور و کوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت و کوثر ہفت — ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نوشتم بہ کلک مشک سرشت — نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گذر یابد — بے قیامت بہشت دریابد
خود براں دل کہ خازنِ ہنر است — ہر بہشتے قیامتِ دگر است
گر بود ناتواں خزانۂ راز — وانداندیشۂ مرا پرواز
ور ز دانش نباشدش پیوند — ہم بافسانہ شود خرسند

یہ مثنوی چھپ گئی ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔ اس میں تین ہزار تین سو پچاس بیتیں ہیں اور ۷۰۱ھ کی تصنیف ہے اِس کے افسانے اِس قدر طول طویل ہیں کہ ایک کی بھی پوری نقل درج نہیں کی جاسکتی ہے مختلف مقامات کی چند بیتیں درج کی جاتی ہیں امیر خسرو رح نے ہر داستان

کے اخیر پر ایک رنگ کی تعریف کی ہے۔

رنگ مشکیں کی نسبت فرماتے ہیں

رنگ مشکیں شعار عباسی ست — زیور آرائے چرخ شماسی ست
ظلمتِ شب کہ مشک فام بود — بہر آسائشے متام بود
خونِ تر در میانِ نافہ خشک — تا نگردد سیہ نباشد مشک
خط و خالے کہ دلستاں دارد — مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

صفت رنگ زعفرانی

زعفرانی عجب تریں رنگ ست — گونۂ عاشقانِ بے سنگ ست
زر کہ اکسیر کامرانی یافت — زینت از رنگِ زعفرانی یافت
بنگر آں زر کہ زعفرانی نیست — در عیار آنچناں کہ دانی نیست
آفتابے کہ آسماں دارد — عزت از رنگِ زعفراں دارد
در مزعفر فزائشِ طرب ست — خندۂ زعفراں ازاں سبب ست

صفت رنگ سبز

سبز ریحانی است رنگے نغز — دادہ بینندہ را طراوتِ مغز
سبزہ در باغ رنگِ ریحاں یافت — دیدہ از سبزہ روشنی زاں یافت
شاخِ ریحاں طراز نسرین ست — باغ راز یور از ریاحین ست
گلعذارے کہ خار خار دل ست — خط ریحانیش بہارِ دل ست

صفت رنگِ گلنار

رنگِ گلنار دل کشائے بود — چوں مئے لعل جاں فزائے بود
زیبِ باغ ست گونِ گلناری — چوں شفق بر سپہرِ زنگاری
ہر کہ شد بخت و دولتے یارش — رخ بہ سرخی بود چو گلنارش

ہست گلنار ہمچو نارِ کلیم   گل نار است باغ ابراہیم

صفت رنگ بنفشہ

ہست رنگِ بنفشہ نادر وش   دیدہ را نغز و سینہ را دلکش
ترک زیبا کہ رو بود چو مہش   در حریر و بنفشہ کن نگہش
باغ کو نقش کم ز دیبا نیست   بے خیالِ بنفشہ زیبا نیست
خندۂ برق باشرار درفش   بیں کہ چوں خوش بود ز ابر بنفش

صفت رنگ صندلی

رنگِ صندل لطیف تر باشد   اثرش رفع دردِ سر باشد
واب صندل بتاں کہ رخ شویند   زاں طراوت بہ رنگ رو جویند
رنگِ خوباں خوش است صندل فام   خوش بود سروِ صندلی اندام
چوں ز لب ریخت سرو صندل سود   شربتِ صندلی گوارش بود

صفت رنگ کافوری

پاک رنگ ست رنگِ کافوری   نامہ ہا را بیاض مغفوری
چوں شود خشک آدمی کافور   موے او را خدائے خواند نور
روز روشن کہ سر بسر نور است   ہمہ نورش برنگِ کافور است

صفت دلارام معشوقہ بہرام

خاصہ تر زاں ہمہ کنیزے بود   آفتابے بہ زیر چرخ کبود
اصلش از چین و رخ چو صورتِ چیں   گیسوش چوں سواد چیں مشکیں
بسکہ کردے بہر دلے آرام   بہ دل آرائیش بر آمدہ نام
قامتے در خوشی چو عمر دراز   ہوس انگیز تر ز عشق مجاز
بر چو نارنج نو بہ شاخ درخت   سخت رستہ ز صحبتِ دلِ سخت

روے نگار رنگ داد گل را رنگ ‌ ‌ ‌ دہنش تنگ با شکر ہم تنگ

سر درآوردہ ابروانش بکار ‌ ‌ ‌ چون مقامر (کارباز) بہ کعبتین قمار

ہر طرف کابرو بہ خشم کردہ ‌ ‌ ‌ آرزو بیش و ہوش کم کردہ

چون بہ دنبال چشم کردہ نگاہ ‌ ‌ ‌ پردہ صدرہ روندہ را از راہ

طرہ را سر زدہ بہ خونخواری ‌ ‌ ‌ چشمہاے درشم زبیماری

نرگسش دورباش و غمزہ خدنگ ‌ ‌ ‌ لعل در آشتی و عشوہ (ازناز) بہ جنگ

نیم دزدیدہ خندہ زیر لبش ‌ ‌ ‌ کردہ تعلیم دزدیِ عجبش

سخنِ تلخ در لبش چو نبات ‌ ‌ ‌ مرگ را داد چاشنی ز حیات

لعلِ او کردہ بر شکر میری ‌ ‌ ‌ شہد را داد چاشنی گیری

خالِ او کو ہزار پردہ درید ‌ ‌ ‌ عالمے را بہ کنجدے بخرید

گیسوِ پیچ پیچ از سرِ ناز ‌ ‌ ‌ داد بر دستِ فتنہ رشتہ دراز

تنے از نازکی درونہ فریب ‌ ‌ ‌ پاے تا سر ہمہ لطافت و زیب

رگ نمودہ بروں ز لطفِ بدن ‌ ‌ ‌ ہمچو رشتہ درونِ درِ عدن

خوش در پوست در تنک سلبی (لباس) ‌ ‌ ‌ ہمچو مے در زجاجۂ حلبی

در تماشاش روز و شب بہرام ‌ ‌ ‌ ہمچو جمشید در نظارۂ جام

خضرنامہ یا مثنوی خضر خاں و دول رانی

خضر خاں سلطان علاؤالدین خلجی کا بڑا بیٹا اور دیول دیوی یا دول رانی اسکی معشوقہ راجہ گجرات کی بیٹی تھی۔ خضر خاں امیر خسرو رح کا پیر بھائی بھی تھا۔ اس نے ان سے اپنے عشق کے قصہ کو نظم کرنے کی فرمائش کی تھی۔ اسی فرمائش پر آپ نے اس عشقیہ مثنوی میں دونوں کے عشق و محبت کا حال لکھا ہے جس کا کتب

لباب یہ ہے کہ جس وقت دیول دیبی گجرات سے اپنی ماں کملا دیبی کے پاس آئی۔ اُس وقت اُس کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ بادشاہ خضر خاں سے اُس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ کملا دیبی نے بھی جو بادشاہ کے حرم میں تھی اِسے منظور کر لیا تھا کیونکہ وہ خضر خاں کو اس وجہ سے بہت چاہتی تھی کہ وہ اُس کے بھائی کے ہم شکل تھا۔ نو عمری کے ایام میں یہ دونوں نو عمر آپس میں ملتے جلتے اور پیار و اخلاص کے ساتھ کھیلتے کودتے رہے۔ خضر خاں کی ماں اِس شادی کا ہونا اِس وجہ سے نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی اپنے بھائی الپ خاں کی لڑکی سے کرنا چاہتی تھی۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ خضر خاں کی محبت دیول دیبی سے عشق کے درجے تک پہنچ گئی ہے تو اُس نے بادشاہ سے کہہ کر دونوں کو جدا کرا دیا۔ اس حالت جدائی میں بھی ان کے درمیان برابر پیغام و سلام جاری رہے۔ لیکن باوجود خضر خاں کی بے انتہا مخالفت اور رونے پیٹنے کے اُس کی شادی الپخاں کی لڑکی سے جبراً کر دی گئی اس کے بعد جب عشق سے روز بروز اُس کا حال خراب ہونا شروع ہوا تو بادشاہ نے اُس کا نکاح دیول دیبی سے بھی کرا دیا۔ اِس کے بعد بادشاہ خضر خاں سے ناراض ہو گیا اور اُس نے اُس کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ خاوند کی سب مصیبتوں میں دیول دیبی اُس کے ساتھ رہی۔ اور جب سنہ ۷۱۸ھ ۱۳۱۸ء میں خضر خاں قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے گوالیار میں قتل ہوا تو دیول دیبی کے دونوں ہاتھ اپنے عاشق زار کے گلے میں پڑے ہوئے زخمی ہوئے اور وہیں قتل ہو کر خاوند کے ساتھ دفن ہوئی۔

ان دونوں کی عاشقی کا ایسا شہرہ ہوا کہ ہندی۔ فارسی شاعروں کا ایک شاعرانہ افسانہ بن گیا۔ بہت سے قصے اس کے ہندی۔ فارسی زبانوں میں موجود ہیں۔ اور صدہا برس تک لوگوں نے اس کے گیت بنا کر گائے۔ بعض مؤرخ لکھتے

ہیں کہ دیول دیبی اپنے عاشق کے قتل کے بعد زندہ رہی اور اُس کی دو شادیاں اور ہوئیں۔ ایک خاوند کے قاتل قطب الدین مبارک شاہ کے ساتھ اور دوسری غاصب سلطنت خسرو خاں کے ساتھ۔ لیکن چونکہ اِس روایت کی تصدیق اِس مثنوی اور اُس عہد کی مستند تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی سے نہیں ہوتی لہذا پہلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ مثنوی چھپی نہیں نہ عام طور سے دستیاب ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے جے پور کے کتب خانے میں اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) کی تصنیف ہے۔ اُس کی اِن بیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ اور چند دنوں میں لکھی گئی ہے۔

بحمد اللہ کہ از عونِ الٰہی ۔۔۔ بہ پایاں آمد ایں منشورِ شاہی
بقدر چار ماہ و چند روزے ۔۔۔ فروزاں شد چنیں روشن فرازے

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خضر خاں کے قتل کا واقعہ بعد میں الحاق کیا گیا ہے کیونکہ وہ ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) کا واقعہ ہے۔ اِس کی نسبت حضرت امیر خسرو رح مثنوی میں تحریر فرماتے ہیں۔

مع القصہ نہانی دان ایں راز ۔۔۔ ز گنجِ راز زنیساں در کند باز
کہ چوں سلطاں مبارک شاہ بے مہر ۔۔۔ ز تلخی گشت بر خویشاں ترش چہر
صلاحِ ملک در خونریزشاں دید ۔۔۔ سزاواری بہ تیغِ تیز شاں دید
براں شد تا کند از کیں سگالی ۔۔۔ ز انبازاں ملک اقلیم خالی
نہاں سوئے خضر خاں کس فرستاد ۔۔۔ نموداری بہ عذر از دل بروں داد
کہ اے شمعے ز مجلس دور ماندہ ۔۔۔ تنت بیتاب و رُخ بے نور ماندہ
تو مے دانی کہ از من نیست ایں کار ۔۔۔ ستمکش ماند و یک سو شد ستمگار
دول رانی کہ در پشتیت کنیز یست ۔۔۔ کنیز ار مر نو دہم سہل چیز یست

شنیدم کانچناں گشت ارجمندت — کہ شد پا بوس او سرو بلندت

بہ پس زیبا بود کز چشم کوتاہ — پرستار پرستاری شود شاہ

تمنائے دلِ ما مے کند خواست — کہ زاں زانو نشیں بربادیت خاست

چو زینجا رفت باد ایں جا فرستش — بپائیں گاہِ تختِ ما فرستش

چو سودائے دولت گم گشت چیزے — و ہمیت باز تا باشد کنیزے

چو شہ پیغام گوئے برد پیغام — خضر خاں را نماند اندر دل آرام

نخست از دیدہ لب را جوش خوں داد — پس آلودہ بخوں پاسخ فرستاد

کہ شہ را ملک رانی چوں وفا کرد — دول رانی بمن باید رہا کرد

دریں دولت ہم از من دور خواہی — مرا بے دولت و بے نور خواہی

چو با من ہمسرست ایں یار جانی — اگر من دور کن زاں پس تو دانی

اس کے بعد خضر خاں کی شہادت کا حال لکھ کر فرماتے ہیں

دول رانی کہ با فرخندگی بود — خضر خاں را زلالِ زندگی بود

چو خضرِ چرخ با او در کمیں گشت — ہمہ آبِ حیاتش تیغ کیں گشت

چو دیدم اندریں شیشہ بہ تمییز — پسے مست آبِ حیواں خضر کش نیز

برآمد جانِ عاشق جاں فشاناں — وے میگشت گرد اگرد جاناں

گلے کز وے چکیدہ قطرہ خونے — فشاندے خون صدرِ و برونے

بجائے آب ازآں گل خوں کشیدند — نگہ کن تا گلابش چوں کشیدند

مثنوی نہ سپہر

یہ بے نظیر مثنوی ماہ جمادی الثانی سنہ ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) میں حضرت امیر خسرو نے نو بحروں میں سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے نام پر لکھی تھی اسی مناسبت سے یہ نہ سپہر

قطبی کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس کے بیش بہا صلے کا حال باب سوم میں تحریر ہو چکا ہے۔ یہ مثنوی چھپی نہیں اور بہت کم یاب ہے۔ مخدومی مولوی محمد شعیب صاحب ٹونکی کی عنایت سے ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا جو ماہ ذیقعدہ ۹۰۰ھ کا لکھا ہوا ہے اس کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ کل مثنوی میں چار ہزار پانسو ۴۵۰۰ بیتیں ہیں۔ غزلیات۔ وصف بہار و موسم نوروز وغیرہ مختلف نظموں کے علاوہ قطب الدین مبارک شاہ کے دیوگیر دولت آباد اور تلنگانہ وغیرہ کی فتوحات کے تاریخی حالات نہایت دل چسپ اور زوردار نظم میں مندرج ہیں۔ ایک مستقل باب ہندوستان اور ہندوستانیوں کے فضائل میں قلمبند کیا ہے جو تیرہ ورقوں (ہر ایک ورق میں ۴۲-۴۴ بیتیں ہیں) پر ختم ہوا ہے یہ بے انتہا دلچسپ ہے۔ اس سے امیر خسرو رح کی محب الوطنی اور ہندوؤں کے علوم و فنون سے پوری واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ مختصر انتخاب ہدیۂ ناظرین ہے۔

حمد

خدارا کنم بر سرِ نامہ یاد　　کہ بر بندہ درہائے معنے کشاد

مناجات

خدایا چو دانائے رازم توئی　　بہ ہر نیک و بد چارہ سازم توئی

بداں گونہ کن چارۂ کارِ من　　کہ رحمت برد از ددت بارِ من

درے باز کن بر من از گنجِ راز　　کہ گردم ز گنجِ کساں بے نیاز

نکویم کہ کن بر درِ خویش خاص　　ہمیں گویمت کز خودم کن خلاص

خدائے گدایان و شاہاں توئی　　پناہِ ہمہ بے پناہاں توئی

پناہے مدہ جز براہِ خودم　　وگر سوئے ماں از نیازِ خودم

چو خاکم کنی خاکسارم مکن — در آں خاک چوں خاک خوارم مکن

خدایا چو خسرو دریں بوستاں — کہن طوطی شد ز ہندوستاں
ز ہر گفت و گوئیش پرہیز دار — بتوحید و نعتش زباں تیز دار

ہندوستان کے فضائل جو اِن عنوانوں سے بیان کئے ہیں۔

(۱) اثباتِ ملکِ ہند کہ جنّت بہ جنّت است
جنّت ہمہ بہ قاعدہ ملک استوار

(۲) ترجیح ملک ہند بعقل از ہوائے خوش — بر روم و بر عراق و خراسانِ برف بار
(۳) ترجیح اہلِ ہند بر اہلِ عجم ہمہ — ہندی کی و دانش و دلہائے ہوشیار
(۴) اثبات گفت ہند بحجت کہ راجح است — بر پارسی و ترکی از الفاظ خوشگوار
(۵) اثبات آنکہ جانورے ایں دیار را — ہستے قریب عقل کہ انساں کنی شمار
(۶) اثبات آنکہ ہم بزبانند مردہ را — ہم زندہ جاں دہند چو پروانہ پیش نار

ہندؤں کی فضیلت علمی پر دس دلیلیں قائم کی ہیں جن میں بعض یہ ہیں۔

(۱) یہاں تمام دنیا سے زیادہ علم نے وسعت حاصل کی۔

(۲) ہندوستان کے آدمی دنیا کی تمام زبانیں حاصل کر سکتے ہیں لیکن اور کسی ملک کا آدمی ہندی زبان نہیں بول سکتا۔

(۳) ہندوستان میں دنیا کے ہر حصہ کے لوگ علم کی تحصیل کے واسطے آئے لیکن کوئی ہندو تحصیل علم کے واسطے ہند سے باہر نہیں گیا۔ ابومعشر ہندوستان میں تحصیل علم کے واسطے آیا اور دس برس تک بنارس میں پڑھتا رہا۔

(۴) علم حساب میں صفر ہندوستان کی ایجاد ہے جسے آسا برہمن نے ایجاد کیا تھا۔

(۵) کلیلہ دمنہ جس کا ترجمہ فارسی۔ ترکی۔ عربی۔ دری میں ہوا ہندوستان کی تصنیف ہے۔

(۶) شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہے۔

(۷) موسیقی کی جو ترقی ہندوستان میں ہوئی کہیں نہیں ہوئی۔

دسویں دلیل میں فرماتے ہیں ؎

حجتِ دہ آنکہ چو خسرو بہ سخن ‌‌ ‌ سحر گرے نیست بہ چرخِ کہن

ہندوؤں کے مذہب کو اسلام کے علاوہ اور تمام مذاہب سے مقابلہ کر کے ترجیح دی ہے ؎

برہمن از ہستی او راندہ نفس ‌ ‌ از شنوی کش بد دئی رفتہ لبس

عیسویاں زوجہ و ولد بستہ برد ‌ ‌ ہندو ازیں جنس نہ پیوستہ برد

قوم مجسم رقم جسم زدہ ‌ ‌ برہمناں نے دم ازیں قسم زدہ

اختریاں ہفت خدا بردہ گماں ‌ ‌ گفتہ یکے ہندو ثابت ہماں

قوم مشبہ سوے تشبیہ شدہ ‌ ‌ ہندو از ینہاش بہ تنزیہ شدہ

خلق دگر نور و ظلم خواندہ بدل ‌ ‌ ہندو از ینہا ہمہ پیوند و گسل

و آنچہ کہ معبود برہمن بہ فرق ‌ ‌ معترفِ او کہ نہ تثلیث ز حق

ہندوستان کے جانوروں کی تعریف میں طوطی کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں ؎

طوطی ازیں جاست یکے جانورے ‌ ‌ ہمچو دگر جانوراں نے بترے

ہیں سخنش بر صفتِ آدمیاں ‌ ‌ ہر چہ شنید ست بگوید بہ بیاں

فاتحہ و اخلاص و دعا و روش   با من و تو ہمچوں من تو سخنش

ویدوں کا حال لکھتے ہیں ؎

چار کتابست بدیں بدشاں   کامل عمل شد بقبول و روشاں

بید شدش نام زدیوان سمری   کوند بہ بید صفت ہیچ بری

ہرچہ دگر قصہ و افسانہ شاں   یا کتب و نامہ و پروانہ شاں

آنچہ تعلق بہ عبارت گری   دار د و آئین سخن گستری

حرفے و سے آنجا بود از برہمناں   وز ادب آموختہ دانستہ چناں

یہ مثنوی خصوصاً ہندوستان کا باب بہت ہی دلچسپ ہے بخوف طوالت زیادہ انتخاب نہیں کیا گیا۔

مثنوی تغلق نامہ

یہ حضرت امیر خسرو رح کی سب سے آخری تصنیف تھی جو سلطان غیاث الدین تغلق کے نام پر لکھی گئی تھی۔ یہ مثنوی اکبر اور جہانگیر ہی کے عہد میں نایاب تھی۔ سنہ ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ء) میں جہانگیر نے اس کو دیکھ کر بہت پسند کیا لیکن اس کا جو نسخہ شاہی کتب خانے میں تھا اس کا ایک مبحث مفقود تھا۔ جب تلاش کرنے پر کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہ ہوا تو جہانگیر نے شعرائے دربار کو حکم دیا کہ اسی طرز پر طبع آزمائی کر کے مبحثِ مفقود کو پورا کریں۔ سب نے طبع آزمائیاں کیں۔ لیکن بادشاہ کو حیاتی کاشی کی نظم پسند آئی اور اس کو داخل تغلق نامہ کیا اور اس کے صلہ میں قدردان بادشاہ نے حیاتی کاشی کو زر سرخ و سفید سے ترازو میں تلوا کر اس کے ہموزن چھ تھیلیاں جن میں چھ ہزار اشرفیاں اور روپئے تھے مرحمت فرمائیں۔ سعدائی گیلانی نے اس کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

چون حیاتی رابہ زر سنجید شاہنشاہ عصر	بادشاہ عدل گستر شاہ گردوں اقتدار
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ	آفتاب ہفت کشور سایۂ پروردگار
بہر تاریخش بروئے کفۂ میزان چرخ	شاعر سنجیدہ شاہی رقم زد روزگار

خزائن الفتوح یا تاریخ علائی

اس تاریخ میں حضرت امیر خسرو رح نے سلطان علاء الدین خلجی کے اوائل سلطنت اور فتوحات کے حالات نہایت فصاحت وبلاغت سے تحریر کئے ہیں۔
صاحب منتخب التواریخ ملک مانک اور مغلوں کی لڑائی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اِس لڑائی کے قصّے کو امیر خسرو رح نے خزائن الفتوح میں ایسی فصاحت وبلاغت سے لکھا ہے کہ آدمی کا کام نہیں معلوم ہوتا اور اگر غور کیا جاوے۔تو اُن کا تمام کلام ایسا ہی فصیح ہے۔

مسٹر ایلیٹ صاحب اپنی تاریخ میں اِس تاریخ کی نسبت حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

یہ تاریخ جو اِن دونوں ناموں سے مشہور ہے حضرت امیر خسرو رح کی تالیف سے ہے۔اِس میں سلطان علاؤالدین خلجی کے جس کو مؤلف نے اکثر محمد شاہ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے اوائل سلطنت یعنی ۶۹۵ھ ۱۲۹۹ء سے ۷۱۰ھ ۱۳۱۰ء تک کے حالات نہایت دلچسپ پیرائے میں درج ہیں۔گمان غالب ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا عام مؤرخوں نے تاریخ علاء الدین خلجی کے نام سے اپنی کتابوں میں حوالہ دیا ہے اگر واقعی یہ خیال صحیح ہے تو اِس کا غور سے مطالعہ نہیں کیا گیا۔کیونکہ بہت سے دلچسپ واقعات مؤرخوں سے نظر انداز ہو گئے ہیں۔یہ مختصر کتاب اُن مضامین کے متعلق جن کا اِس میں بیان ہے بہت زیادہ معلومات سے بھری

ہوتی ہے خاصکر اُس زمانے کی لڑائی کے قواعد اس خوبی سے اِس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں کہ کسی دوسری کتاب میں اِس سے زیادہ عمدگی سے نہیں پائے جاتے اِس کا طرز بیان نہایت دقیق ہے کیونکہ اس میں اکثر جگہ نہایت نازک خیالی سے ایسے استعارات استعمال کئے گئے ہیں جیسے کہ بقیہ نقیہ اور اعجاز خسروی کے دیباجہ میں ہیں یا جیسے کہ قصائد بدر چاچ اور کلیات مرزا قتیل اور ایسی ہی دوسری تصانیف میں پائے جاتے ہیں کہ جن میں عام مضامین کو بھی نازک خیالی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اِس تاریخ کے ہر ایک حصہ میں وہی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا تعلق کسی خاص مضمون سے ہے۔ ایسی جگہ بعض بعض تشبیہیں نہایت عاقلانہ اور دلچسپ استعمال کی گئی ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اِس قسم کی تصنیفات میں اکثر مبالغہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور زرا ذراسی بات کو بہت بڑھا بڑھا کر بیان کیا جاتا ہے تاہم اس سے ہم کو اکثر ایسے سچے واقعات معلوم ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ہم ان باتوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں اور ایک طرح سے یہ معمے اور تشبیہیں ہم کو واقعات کے معلوم کرنے میں بہت مدد دیتی ہیں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اعداد کے ذریعے سے کسی واقعہ کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا اور معمہ وغیرہ سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ کب ہوا تھا۔ اس کتاب میں اکثر ہندی الفاظ مثلاً کاٹھ گڈھ۔ پردھان۔ مارا مار وغیرہ بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے اہل اسلام کے خلاف امیر خسرو رح کو ہندی زبان میں بھی کافی مہارت تھی۔ اِس تاریخ میں باقاعدہ تاریخ وار واقعات درج نہیں ہیں بلکہ خاص زمانے میں ملک کے کسی حصے میں جو واقعات ہوئے اُن کو بلا امتیاز درج کر دیا گیا ہے لیکن امیر خسرو رح نے جو کچھ لکھا ہے مستند مانا جاتا ہے کیونکہ اوّل تو یہ کل واقعات اُن کے زمانے

کے ہیں دوسرے ان میں سے اکثر میں وہ بذات خود شریک تھے ضیاء الدین برنی مورخ اپنی تاریخ کے بیانات کی تصدیق اکثر اسی کتاب سے کرتا ہے۔

یہ تاریخ بھی اب کمیاب ہے اور چھپی نہیں اس کا ایک قلمی نسخہ بے پور کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کے مطالعہ کا شرف راقم الحروف کو حاصل ہوا ہے۔

اس نسخہ کے عنوان پر یہ بیت تحریر ہے۔

این نامہ کہ نقد فتح دارد در جیب　　شد نام خزائن الفتوحش از غیب

ایک لڑائی کا حال اس بیت سے شروع کیا گیا ہے۔ ؎

این فتح خزائن الفتوح است　　ہر گوہر از و چراغ روح است

اور خاتمہ پر یہ عبارت درج ہے۔

ختم سخن بر ایں کلمہ کنم کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ و دعا ختم این است کہ توفیتنی مسلما والحقنی بالصلحین اللھم صل علی محمد عبدک ورسولک النبی الامی وعلی الہ واصحابہ اجمعین +

انشائے خسرو یا خیالاتِ خسرو

یہ سلیس فارسی میں رقعات اور مراسلات کا مجموعہ ہے۔ اس کے اکثر رقعات اخلاقی پند و نصائح سے پر ہیں۔ خاتمہ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

خاتمہ دفتر اول۔ قلم برداشتن و عبارت آراستن و فقر ہائے رنگین و دل نشین پیراستن و نسخہ مرتب و مربوط نگاشتن کار منشیان استاد است ہیچدان گو استعداد آں ندارد ——— مراسلۂ چند کہ ہمچناں ارجمند و بہ دوستاں دردمند از غایت شوق و نہایت ذوق قریب الفہم نگاشتہ و بالفاظ مغلق نپرداختہ و برائے یاراں یادگارے گذاشتہ فرو

گر بدے گوہرے ورائے سخن	آں فرود آمدے بجائے سخن

امید کہ منظور نظر کیمیا اثر صاحب نظراں گردد مصرع ہر مس کہ بہ کیمیا رسد زر گردد۔

اس کتاب کے قلمی نسخے کو بھی راقم الحروف نے جے پور کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔ بطور نمونہ ایک مختصر رقعہ کی نقل درج کی جاتی ہے۔

عرضداشت بہ پیر دستگیر

عرضداشت کمترین مریدان جاں نثار زمین خدمت لب ادب بوسیدہ ساعت بساعت در لوازم بندگی کوشیدہ بعد از تقدیم شرائط عقیدت و مراسم ارادت ذرہ وار از روے عجز و انکسار بموقف عرض قبلہ حاجات و کعبہ مرادات میرساند کہ از ورود مکرمت نامہ فیض آمود سر افتخار و مباہات بگردون دوار رسید از والا مطالعہ آں بعنایت ابدی و سعادت سرمدی بوصول گردید و مرشد بکمال سلامت ایں ذرہ بے مقدار پیوستہ از عنایات آں آفتاب عالمتاب کہ از ذرہ تا خورشید شامل است امیدوار مے باشد و بجز درگاہ آسمان جاہ پیر دستگیر پناہے ندارد۔ ع چہ غم دیوار امت راکہ باشد چوتو پشتیباں شعاع آفتاب جہاں تاب فیض بر مفارق جمیع مریداں و طالباں تابندہ باد۔

رسائل الاعجاز یا اعجاز خسروی

اس خوش سخن اور شمع افروز انجمن کی تصنیف سے اعجاز خسروی ایسی کتاب ہے کہ جس کا ہر لفظ معدن فصاحت اور ہر فقرہ مخزنِ بلاغت ہے۔ اس کی عبارت آرائی۔ بہار افشانی۔ گل ریزی۔ مترادف فقروں کے جوڑ توڑ اور مقفے فقروں کی سجاوٹ اور دیگر صنائع بدائع انشا پردازی کے اظہار کمالات سے بڑے بڑے منشی۔ فاضل اور ادیب حیران ہیں۔ اِس صاحبِ کمال باغبان نے فن انشا پردازی کے گلستاں میں طرح طرح کے اختراع و ایجاد اور لطائف و ظرائف کے قلم لگا کر اُن کو عربی علم ادب کے پانی اور ہندی الفاظ سے ایسا سرسبز و شاداب کیا ہے کہ قیامت

تک اپنی بہار دکھاتے ہیں گے۔ بعض مضامین بلاغت کے ایسے اسلئے درجے رفعت پر قائم ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے فضلا اور انشا پردازوں کے ذہن رسا وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ عربی کے جو اشعار و فقرات فارسی کے ساتھ آگئے ہیں وہ اُس کی قادرالکلامی کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ اور زبان کی حیثیت سے کسی طرح فصحائے عرب کے کلام سے کم نہیں ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کے کمال فارسی کی ایک ایسی زندہ یادگار دنیا میں موجود ہے کہ جس کے مقابلہ میں آج تک ہندوستانی تو کیا ایرانیوں کا بھی قلم نہیں اُٹھا اور جس طرح شیخ سعدی رح کی گلستاں۔ مولانا روم کی مثنوی۔ امام غزالی رح کی احیاء العلوم۔ فردوسی کے شاہنامہ۔ نظامی کے سکندرنامہ اور فیضی کی تفسیر سواطع الالہام۔ اور ایامِ جہالت کے امراء القیس وغیرہ فصحائے عرب کے سبعہ[1] معلقہ کا جواب نہ ہو سکا اسی طرح اِس کتاب کا بھی جواب آج تک نہ ہو سکا نہ امید ہے کہ آئندہ ہو۔

یہ کتاب پانچ رسالوں پر مشتمل ہے جو سلطان علاؤالدین خلجی کے نام پر لکھی گئی تھی۔ لیکن قطب الدین مبارک شاہ کے عہد میں ۷۱۹ھ ۱۳۱۹ء میں تکمیل کو پہنچی۔ اس میں قریب بارہ سو صفحہ بڑی تقطیع کے ہیں اور مطبع منشی نول کشور لکھنؤ میں طبع ہو کر عام طور سے ملتی ہے۔ امیر خسرو رح اس کی نسبت فرماتے ہیں۔ رباعی

زہے منظر کہ چوں بامِ بہشت است	کہ از خسرو دے خالی مبادا
قضا در ہفت سقفش دید و بر خواند	بنینا فوقکم سبعاً شدادا

[1] سبعہ عربی میں سات کو کہتے ہیں اور معلق کے معنی لٹکے ہوئے کے ہیں قبل اسلام ایام جہالت میں فصحائے عرب کا قاعدہ تھا کہ قصیدہ لکھ کر خانہ کعبہ پر اس غرض سے لٹکا آتے تھے کہ دیکھیں کون اسکا جواب کہتا ہے۔ منجملہ ان قصیدوں کے یہ سات قصیدے ایسے فصیح و بلیغ واقع ہوئے کہ کوئی ان کا جواب نہ دے سکا۔ یہ آج تک عربی علم ادب کی منتہی کتابوں کے ساتھ درس میں ہیں۔

اس ضخیم کتاب سے اگرچیدہ چیدہ مضامین بھی نقل کئے جائیں تو اس کے واسطے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

افضل الفوائد وراحت المحبین

ان دونوں کتابوں میں امیر خسروؒ نے ملفوظات اپنے پیر حضرت سلطان المشائخ کے لقیدتاریخ وترتیب مجلس جمع فرمائے ہیں۔ راحت المحبین کی مجلس اول میں لکھتے ہیں۔

مجلس اول روز دوشنبہ بستم ماہ رجب المرجب ۶۸۹ھ۔ گفتگو دربارۂ آفرینش مہتر آدم علیہ السلام واقعہ ہوئی بندۂ گنہ گار امیدوار رحمت پروردگار خسرو لاچیں کو یکے از بندگان وحلقہ بگوشان حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ سے یاوری بخت سے دولت قدمبوسی حاصل ہوئی عزیزان اہل صفہ حاضر خدمت تھے۔ بندہ واسطے عرض کرنے کے دست بستہ کھڑا ہوا تھا آپ نے مجھے کھڑا ہوا دیکھ کر ازراہ کرمت فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور جو کچھ کہنا ہو وہ عرض کرو میں نے دوبارہ قدم بوسی کی آپ نے ازراہ نوازش مجھے اٹھایا اور بار دیگر ارشاد فرمایا کہ تم کو اجازت ہے جو عرض کرنا ہو عرض کرو۔ مینے التماس کیا کہ اس نحیف نے قبل ازیں جس قدر انفاس نفیسہ زبان مبارک سے سُنے تھے ان کو قلمبند کیا ہے کہ ایک کتاب مرتب ہو گئی ہے۔ بندہ نے اس کا نام افضل الفوائد رکھا ہے کتاب مذکور شرف ملاحظہ سے مشرف ہو چکی ہے۔ اب میں طالب اجازت ہوں کہ جو تر غیب زبان مبارک حضرت مخدوم سے سنوں اُسے سلک تحریر میں لاؤں۔ نیز میرا یہ مدعا ہے کہ حضور آیندہ ذکر حضرات انبیاء عظام علیہم السلام فرمایا کریں۔ کمال ذرہ نوازی ہوگی عرضداشت ختم ہوتے ہی آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ، بہت خوب میں نے تمہارے آنے سے پیشتر ہی یہ حکایت آغاز کی ہے۔ الخ

راحت المحبین کا اردو میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے اور افضل الفوائد بھی چھپ گئی ہے۔

خالق باری

عربی۔فارسی۔ہندی کے لغات میں مختلف بحروں میں ہے یہ پہلے کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی آج کل جو عام طور سے رائج ہے یہ اصل کتاب کا بہت مختصر سا انتخاب ہے۔مشہور ہے کہ امیر خسرو رح نے اِس کو کسی بھٹیاری کی فرمائش پر اس کے لڑکے کے واسطے لکھا تھا۔ جب برج بھاشا نے اپنے وسعت اخلاق سے عربی۔فارسی الفاظ کے مہمانوں کو جگہ دی تو ایک نئی زبان پیدا ہونی شروع ہوئی لیکن وہ مدت تک دوہروں کے رنگ میں ظہور کرتی رہی یعنے فارسی کی بحریں اور فارسی خیالات اس میں نہ آتے تھے۔ سب سے اوّل اِسی خالق باری میں فارسی بحروں نے اپنی جھلک دکھائی ہے۔فارسی اردو پڑھے ہوئے لوگوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے خالق باری اور کریما کے دو چار دس پانچ شعر یاد نہ ہوں اِس وجہ سے اِس کے نمونہ دکھانے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔سبحان اللہ کیا زبانیں تھیں کہ جو اُن سے نکل گیا ایک عالم کو بھایا اور زمانے کے دل پر نقش کالحجر ہوگیا خالق باری جس طرح کہ چھ سات سو برس پہلے بچوں کا وظیفہ تھی اُسی طرح آج بھی جہاں جہاں پرانی تعلیم کا چرچا باقی ہے عام طور سے بچوں کے ورد زبان ہے۔

مقالہ۔جواہرالبحر

یہ دونوں کتابیں میری قاصر نگاہ سے نہیں گذریں۔نہ کسی فارسی کی تاریخ یا تذکرے میں ان کا کچھ حال نظر سے گذرا۔مسٹر ٹامس ولیم بیل صاحب اپنی

کتاب اورینٹل بایوگرفیکل ڈکشنری میں امیر خسرو رح کی تصنیفات کے ذیل میں ان کتابوں کے نام بھی تحریر فرماتے ہیں اور مقالے کی نسبت حسب ذیل لکھتے ہیں۔

مقالہ۔ اِس میں خلفاے راشدین کے حالات مع ہیں اور مذہب صوفیہ کی نسبت بھی ایک رسالہ شامل ہے۔ سنہ ۱۳۲۴ء کی تصنیف ہے۔

قصہ چہار درویش

ایک مرتبہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا رح بیمار ہوئے۔ حضرت امیر خسرو رح تیمارداری میں ہر وقت حاضر رہتے۔ اور اپنے پیر کے دل بہلانے کے واسطے اِس قصے کو تصنیف کر کے سُنایا کرتے تھے۔ غسل صحت کے بعد حضرت سلطان المشائخ رح نے دعا دی کہ جو کوئی اِس قصے کو سُنے گا خدا کے فضل سے تندرست رہے گا۔

اِس دلچسپ قصے کا ترجمہ اوّل ایک صاحب تحسین نامی ساکن اٹاوہ نے کر کے نو طرز مرصع کے نام سے موسوم کیا۔ سنہ ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۱-۰۲ء) میں میر امّن دہلوی نے ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے حکم سے اِس کا دوبارہ ترجمہ کیا۔ جو باغ و بہار کے نام سے موسوم اور انیسویں صدی کے آغاز میں دلّی کی جو زبان تھی اُس کا اعلےٰ نمونہ ہے۔ اور اب تک انگریزوں کے اردو درس میں داخل ہے۔

دیوان تحفۃ الصغر۔ وسط الحیات۔ غرۃ الکمال۔ بقیہ نقیہ

نظم کی مختصر تاریخ امیر خسرو رح کے عہد تک

جملہ ارباب فضل و کمال اِس امر میں متفق ہیں کہ نظم نثر پر فوقیت رکھتی ہے

نظم موزوں ہے۔ نثر ناموزوں۔ اور موزوں اور ناموزوں میں جو فرق ہے ۔ وہ عقلمندوں پر ظاہر ہے۔ اصحابِ فضل وکمال نے آیاتِ کلام مجید میں بیساختہ کلمات موزوں پاکر صدورِ کلام موزوں کو متکلمِ قدیم تعالےٰ شانہ سے منسوب کیا ہے اور تعریف شعر کو عرشِ معلےٰ پر پہنچاکر شعرا کو تلامیذ الرحمٰن کا خطاب دیا ہے ظاہر ہے کہ جملہ علوم وکمال اکتسابی ہیں اور بلا اُستاد اور تعلیم وتحصیل کے حاصل نہیں ہوتے مگر طبع موزوں محض وہبی ہے کہ محتاج تعلیم واکتساب کی نہیں ہے اکثر حروف آشنا بلکہ جاہلِ محض کہ جو عروض وقافیہ اوزان وتقطیع افاعیل وبحورِ شعر سے محض بے بہرہ ہوتے ہیں ایسے مضامین عالی موزوں کرتے ہیں کہ جنھیں سن سن کر تعجب ہوتا ہے۔ مثنوی میں حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

من ندانم فاعلاتن فاعلات شعرے گویم بہ از آبِ حیات

سرخوش صاحبِ کلمات الشعرا کیا خوش فرماتے ہیں کہ گواہ صدق اِس دعوے کا مصرع برجستہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے کہ دیباچہ طراز اور عنوان آرائے

لہ بسم اللہ پر بہت سے شاعروں نے مصرعے لگائے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

مولانا نظامی . . .	ہست کلیدِ درِ گنجِ حکیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
امیر خسرو	خطبۂ قدس است بلکِ قدیم	ایضاً
عرفی	موج نخست است زبحرِ کریم	ایضاً
طاہر وحید	ہست نہالے ز ریاضِ قدیم	ایضاً
میر آزاد بلگرامی	تیغ سیہ تاب رسولِ کریم	ایضاً
ناطق	جملہ جہاں عاشق وزاتش قیم	ایضاً

قرآن مجید ہے۔ اسی اصول پر مرزا صائب کہتے ہیں۔

سخن بلند چو افتد بوے مقرون است آنانکہ سر مصحف کلام موزون است

اِس بیت کے مصرع اوّل میں چونکہ لفظ سخن آیا تھا جو عام طور سے نظم و نثر دونوں کے واسطے مستعمل ہے اس وجہ سے میر آزاد بلگرامی نے اس بیت کی اِس طرح اصلاح فرمائی ہے۔

خوش ست نثر دلے شانِ نظم افزونست آنانکہ سر مصحف کلامِ موزون ست

اس امر میں اختلاف ہے کہ دنیا میں شعر گوئی کا موجد کون ہے۔ ابن اثیر اور بہت سے دیگر مؤرخ اِس ایجاد کو حضرت آدم علیہ السلام کیطرف منسوب کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے ہابیل کے مرثیہ میں سریانی زبان میں شعر موزوں کئے ہیں۔ جن کا عربی میں ترجمہ یہ ہے۔

تغیرت البلاد و من علیہا	و وجہ الارض مغبر قبیح
تغیر کل ذی طعم و لون	و قل بشاشۃ الوجہ الصبیح
قتل قابیل ہابیلاً اخاہ	فوا اسفی علی الوجہ الملیح

اسی اصول پر مرزا صائب لکھتے ہیں ؎

آنکہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود طبع موزوں حجت فرزندئے آدم بود

حضرت امیر خسرو رح ارشاد فرماتے ہیں۔

ما ہمہ در اصل شاعر زادہ ایم دل باین محنت نہ از خود دادہ ایم

لیکن وہ مؤرخ جو شعر گوئی کو کفر سمجھتے ہیں اس امر سے منکر ہیں ان کا بیان ہے کہ پیغمبر معصوم اور شعر گوئی سے مبرا ہیں۔ حضرت ابن عباس رض کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ مرثیہ نثر میں کہا تھا جب یہ نثر سریانی

زبان سے عربی زبان میں ترجمہ ہوئی تو خود بخود موزوں ہوگئی تھا۔ قاسم بن سلام بغدادی موجد شعر عربی کا یعرب بن قحطان کو جو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اشعر بن سبا یمنی شعر گوئی کا موجد ہے اور موجد کے نام ہی کی نسبت سے سخن موزوں کو شعر کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فارسی شعر گوئی کی ایجاد کا فخر بہرام گور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ایک روز وہ گورخر کے شکار میں مصروف تھا کہ بیساختہ اُس کی زبان سے یہ شعر نکل گیا۔

منم آں پیل دمان ومنم آں شیر یلہ نام بہرام مرا کنیتم بوجبلہ

بہرام گور کے اس شعر کے بعد کس نے شعر کہا اس میں اختلاف ہے۔ بعض شخص یعقوب بن لیث کو جن کا زمانہ سنہ ۲۵۱ھ / ۸۶۵ء میں تھا اور بعض ابو حفص سغدی کو جن کا زمانہ سنہ ۳۰۰ھ / ۹۱۲ء میں تھا بتلاتے ہیں۔ فارسی میں قصیدہ کا موجد خواجہ عباس مروی ہے جو عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کامل تھا۔ سنہ ۱۹۳ھ / ۸۰۹ء میں جبکہ خلیفہ مامون رشید عباسی بطور دورہ مرو میں وارد ہوا خواجہ عباس نے اُس کی مدح میں فارسی میں قصیدہ کہہ کر دربار میں سنایا اور اُس کے صلے میں ہزار دینار علاوہ وظیفہ مقررہ کے پائے۔ اِس قصیدے کے چند شعر یہ ہیں ؎

اے رسانیدہ بدولت فرق خود تا فرقدین	گسترانیدہ بجود و فضل در عالم یدین
مر خلافت را تو شائستہ چو مردم دیدہ را	دین یزداں را تو بائستہ چو رخ را ہر دو عین
کس بدیں منوال پیش از من چنیں شعرے نگفت	مر زبانِ پارسی را ہست تا ایں نوع بیں
لیک زاں گفتم من ایں مدحت ترا تا ایں لغت	گیرد از مدح و ثنائے حضرتِ تو زیب و زین

سنہ ۳۰۰ھ / ۹۱۲ء تک فارسی شعر گوئی کا یہی حال رہا کہ کبھی کسی نے کوئی شعر۔ یا

قصیدہ موزوں کر لیا تو کر لیا مگر کوئی اس کی ترتیب و تدوین کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ سلاطین سامانیہ کے عہد میں سب سے پہلے حکیم محمد ابوالحسن رودکی نے فارسی شاعری کو کمال کے درجے پر پہنچایا۔ قصیدہ اور غزل کی طرح ایجاد کی۔ کہتے ہیں کہ وہ مادرزاد اندھا تھا مگر ذہن اُس کا ایسا عالی تھا کہ باوصف نابینائی سات برس کی عمر میں حافظِ قرآن اور بیس برس کی عمر میں حکیم اور شاعر اور لطیفہ گو ہو گیا۔ علاوہ اِس فضل و کمال کے نہایت خوش آواز اور علم موسیقی میں بھی کامل اُستاد تھا۔ ابتدائے حال میں مطربی کرتا تھا رفتہ رفتہ نصر ابن احمد سامانی کی ملازمت میں جا پہنچا اور فضل و کمال کے وسیلے سے ایسے مدارج اور مراتب اعلےٰ پر پہنچا کہ مشہور ہے کہ شعرا میں جو دولت و حشمت اُسے حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ شرح یمینی کی روایت کے مطابق اُس کے اشعار کی تعداد اکتیس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسدی طوسی۔ ازرقی۔ فردوسی۔ عنصری۔ انوری۔ دقیقی۔ عسجدی۔ فرخی۔ فلکی۔ نظامی۔ خاقانی۔ سنائی۔ فاریابی وغیرہ فارسی کے آسمان پر بجلی ہو کر چمکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے کلام اور ایجادات کی خوبی کے انعام و اکرام شہرت کے خزانہ سے پا کر کمال کے دربار سے بقائے دوام کی سند حاصل کی۔

ساتویں صدی میں مشرقی شعرا کے سرتاج شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستانِ شاعری میں ایسے عجیب و غریب اور خوش نما گل کھلائے کہ دنیا محو ہو گئی اور بحیثیت مجموعی جو قبولیت عام اس برگزیدہ روزگار کے کلام کو حاصل ہوئی وہ آج تک کسی شاعر کے کلام کو نصیب نہیں ہوئی عزیزی کا قول ہے۔

درشعر سہ تن پیمبر اند ہر چند کہ لا نبی بعدی

اوصاف قصیدہ و غزل را — فردوسی و انوری و سعدی

اُنھوں نے برخلاف شعرائے متقدمین کی بے نمک اور پھیکی غزلوں کے اپنی غزلوں میں عاشقانہ مضامین اور شوخی اور بانکپن کی ایسی میناکاری کی کہ موجودہ طرز غزل کے ایجاد کے فخر کا سہرا اُن کے سر پر باندھا گیا اور اُنکی فصاحت نے استعاروں کے پیچ اور تشبیہوں کی رنگا رنگی کو چھوڑ کر سادگی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اُن کا کلام عام پسند ہو کر مرغوب طبائع خاص و عام ہوا۔

اسی زمانے میں ہندوستان میں حضرت امیر خسرو رح اور امیر حسن رح نے اس نئے طرز غزل کو کمال کے درجے پر پہنچایا۔ علامۂ زماں میر علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ سعدی شیرازی فردے از افراد اولیا و ثالث رسل ثلاثۂ شعراست و اوّل کسیکہ دمرہ غزل سنجیدہ دماغ عشاق را رسائی تازہ بخشید اگرچہ پیش از شیخ ہم قدماکم کم قانون غزل نواختہ اند اما بے نمک۔ شیخ شور غزل بطرز تازہ برانگیخت و نمک بر جراحت دردمندان ریخت ولہذا دیوان او را نمکدان مے گویند و ہم شیخ در حالت حیات بود کہ امیر خسرو رح و امیر حسن در ہندوستان غلغلۂ غزل انداختند و سوز سینۂ داغدار انجمنہا را گرم ساختند سلطان محمد قاآن مشہور بخان شہید ناظم ملتان دو مرتبہ التماس قدوم شیخ سعدی از شیراز نمود و اشعار امیر خسرو رح برائے ملاحظۂ او فرستاد۔ شیخ از استیلائے ضعف پیری نتوانست رسید ہر دو بار دیوان خود را بخط خود بہ سلطان ارسال نمود و اشعار امیر را تحسین بلیغ کرد و بہ تربیت او تحریص نمود بعد زمان ایں فصحائے ثلاثہ باب غزل مفتتح شد۔ و در ہر عصر جمعے طریق اجتہاد پیمودند و حسن غزل را بہ انواع آرائش افزودند۔

امیر خسرو رح کے کلام پر رائے

امیر خسرو رح کا صرف وہ کلام جو انواع و اقسام کے صنائع بدائع اور مختلف رنگوں اور نئے نئے تصرفوں اور ایجادوں سے مرصع ہے اگر جمع کیا جاوے تو بہت سے شعرا کے کلام سے زیادہ نکلے گا اُن کا تمام کلام عاشقانہ اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ غزلوں میں عاشقانہ اور صوفیانہ مضامین کی ایسی میناکاری کی ہے کہ خاص و عام سب میں یکساں ہر دل عزیز ہیں۔ قوال معرفت کی محفلوں میں انہیں کی غزلوں کو گا کر محفلوں کو گرماتے ہیں[1]۔ عوام اور ارباب نشاط یاروں کو سنا سنا کر مزے اڑاتے ہیں۔ جس طرح عوام الناس اُن کے ظاہری عشقیہ مضامین سے لطف پاتے ہیں اُسی طرح صوفیان صافی دل اور علمائے دقیقہ شناس ادراک معانی سے دقائق و معارف الٰہی کا حظ اُٹھاتے ہیں۔

فارسی کے باکمال شعرا خاقانی۔ ظہیر۔ انوری قصائد۔ اور فردوسی میدانِ

---

[1] منقول ہے کہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں ایک دن شہنشاہ جہانگیر کے بزم شاہانہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ اس وقت مولانا علی احمد نشانی ولد مولانا حسین نقشی دہلوی مشہور شاعر جو علاوہ کمال شاعری کے علم ہیئت اور طب میں بے مثال اور انشا و املا میں بے نظیر اور جملہ خطوط میں ید طولیٰ رکھتے تھے موجود تھے۔ جب سیدی شاہ قوال نے امیر خسرو رح کی یہ بیت گائی ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے ۔۔۔ من قبلہ راست کردم برسمت کج کلاہے

مولانا کو ایسا ذوق پیدا ہوا کہ فوراً سجدے میں گر گئے اور اسی حالت سجدہ میں انتقال کیا۔
(ماخوذ از تزک جہانگیری و نگارستان سخن)

رزم۔ مولانا نظامی مثنوی۔ شیخ سعدی[1] غزل اور اخلاقی مضامین کے مرد میدان تھے۔ لیکن اس صاحب کمال کو نظم کے ہر شعبے میں یکساں کمال حاصل تھا۔ غزل میں وہ شعرائے متقدمین اور شعرائے عہد سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مثنوی کے دربار میں اُن کی کرسی مولانا نظامی کے برابر ہے۔ قصیدے کے میدان گھوڑ دوڑ میں وہ خاقانی سے کچھ پیچھے اور ظہیر وغیرہ کے دوش بدوش ہیں اُن کے دو قصیدے بحر الابرار اور انیس القلوب فصاحت و بلاغت کے ایسے معراج کمال پر پہنچے کہ بڑے بڑے فضلائے روزگار نے اُن کے جواب میں طبع آزمائیاں کیں مگر کسی کا جواب اُن کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اخلاقی مضامین میں اُن کا نمبر شیخ سعدی کے بعد ہے۔ اور کثرت کلام اور صنائع بدائع کے لحاظ سے غالباً وہ فارسی کے جملہ شعرائے متقدمین اور متاخرین کے سرتاج ہیں۔

امیر خسرو رح کے کمالات شاعری اور ادب پر ریویو کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے لہذا اس مقام پر صرف چند مشاہیر شعرا اور فضلا کی رائیں اُن کے کلام کی نسبت درج کی جاتی ہیں۔

مولانا نورالدین جامی رح بہارستان میں فرماتے ہیں۔

امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ در شعر ستّشنے است قصیدہ و غزل و مثنوی در زندہ ومہ بکمال رسانیدہ تتبع خاقانی مے کند ہر چند در قصیدہ بہ وے نرسیدہ اما غزل را از وے گذرانیدہ غزلہائے بواسطۂ معنے آشنا کہ ارباب عشق و محبت حسب ذوق و وجدآن خود

[1] فارسی کی غزل سرائی میں دو قسمیں ہیں۔ ایک واقعہ بندی اور دوسرے خیال بندی واقعہ بندی میں امیر خسرو رح کو ید طولےٰ حاصل تھا اور سہیلی۔ ترک۔ ولی۔ وحشت۔ بیاض۔ آقا شاپور وغیرہ واقعہ بند شعرا اُن کے پیرو ہیں۔ امیر خسرو رح نے غزل سرائی کو اپنے عشق اور تصوف سے جلوہ دیا۔ اسی روش پر مولانا جامی کا کلام ہے۔

مادرے یابد مقبول ہمہ کس افتادہ است۔ حضرت نظامی برادرے کسے در جواب گفتہ و در[1]
آں شنو ییا دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع۔

ایک دوسرے مقام پر امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کی نسبت فرماتے ہیں ؎

آں دو طوطی کہ بنو خیزی شاں	بود و ہند شکر ریزی شاں
عاقبت سخرۂ افلاک شدند	خامشان قفس خاک شدند

میر آزاد بلگرامی وقوع گوئی کا بانی مبانی ان کو بتاتے ہیں اور اپنے کلام کی تائید میں ان کا یہ کلام پیش کرتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ بہ پیش نظر نہفتم		چو سوے من نگرد او نظر بگردانم
غلام آں نفسم کا مدم چو خانۂ او	ولہ	بخشم گفت کہ از در کشند بیرونش
چو بہ نظم بر ورشش بسیار۔ وہاں گفت این سگ ہیں	ولہ	گرفتار است شاید کایں طرف بسیارے آید

اور ان کے کلام کی نسبت فرماتے ہیں ؎

اے خسرو شیوہ خواں چہ کند وصف تو آزاد		خوباں گل سر تستند و دیوان تو باید
میر خسرو نمکیں شعر ترا خواند آزاد	ودیگر	از نمکدان تو شد تازہ گرفتاریٔ دل

صاحب تذکرہ مراۃ الخیال تحریر فرماتے ہیں۔

یک بیت از آں عارف حقیقی کہ در صنعت ایہام ذی الوجوہ واقع شدہ و عجب تر از آں کسے نگفتہ است اکتفا نمود صنعت مذکور چناں است کہ شاعر لفظے در شعر درج نماید کہ آنرا دو معنے یا زیادہ باشد و حضرت امیر دریں بیت لفظے آوردہ کہ ہفت معنے صحیح از آں برمے آید۔ وہی ہذا شعر

پیل تن شاہی و بسیار است بارت بر سریر   زاں مرنج اے ابر و باغ ار گویت بسیار بار

[1] اِن دونوں بیتوں کے آخری مصرعے امیر خسرو رح کے ہیں اور اول مصرعے میر آزاد بلگرامی کے ہیں جو انہوں نے امیر خسرو رح کے مصرعوں میں تضمین کئے ہیں۔

در لغت بار که عبارت است هفت معنی ظاهر می گردد۔ اوّل ۔ تو پیل تنی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنے گراں بار سے بار تو بسیار است ۔ دوم ۔ تو شاہی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار ۔ چہ بار دادن بادشاہاں عبارت از جلوس فرمودن است بر سریر سلطنت و نمودن باخاص و عام نمودن ۔ سوم ۔ تو شاہی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنی بسیار نیکو کار ۔ چہ بار در لغت نیک کردار است ۔ چہارم ۔ تو شاہی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار ۔ یعنی بسیار بار تراشاہ گویند پنجم تو ابری ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنے بسیار بارندہ ۔ ششم ۔ تو ابری ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنے بسیار بہار ۔ ہفتم ۔ اے باغ ازیں مرنج کہ ترا بگویم بسیار بار یعنے بسیار میوہ آور و میوہ دار۔

و ایں بیت امیر را تا امروز ہیچکس جواب نتوانست رسانید۔

مولانا ضیاء الدین برنی صاحبِ تاریخ فیروز شاہی تحریر فرماتے ہیں۔

امیر خسرو در خسروِ شاعرانِ سلف و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرتِ تصنیفات غریبہ نظیر نداشت و ہر چہ نسبت طبع لطیف و موزوں کند باری تعالیٰ او را در آں ہنر سر آمدہ گردانیدہ بود و وجود سے عدیم المثال آفریدہ و در قرون متاخر از نوادر اعصار پیدا آورد۔

شاہزادہ دارا شکوہ سفینۃ الاولیا میں لکھتے ہیں۔

در شعر چناں قادر بودند کہ مطلع انوار را کہ در جواب مخزنِ اسرار است در دو ہفتہ تمام کردہ اند در اشعار ایشاں یکہ جبتہا است کہ کم کسے بآں خوبی گفتہ باشد و ایں بیت از یکہ جبتہا ے ایشان ست ؎

زلفت زہر دو جانب خونریز عاشقان ست چیزے نمیتواں گفت رُوئے تو در میان ست

و مضمونہا ے تازہ عالی در اشعار میر آں قدر است کہ اگر ہمہ را جمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ مے شود و ہمیں طور در اقسامِ زبان و فنونِ علم ہندی بے مثل بودہ اند و بجامعیتِ ایشاں کم کسے گزشتہ۔

کاتبی نیشاپوری کا قول ہے۔

گر حسن معنی ز خسرو بُد تواں عیب کرد زانکہ استاد است خسرو بلکہ ز استادان یاد

امیر خسرو رح کے تتبع کرنے والوں میں خواجہ عصمت اللہ بخاری بھی ہیں جب کاتبی کے زمانے میں ان کے کلام کی شہرت ہوئی تو ایک دن کاتبی نے امیر خسرو رح کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہ عصمت آپ کا ایک ادنے خوشہ چیں ہے۔ اس کے اشعار کی آپ کے اشعار سے زیادہ شہرت کا کیا سبب ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ اس کا کوئی خوف نہیں عصمت کے اشعار میرے ہی اشعار ہیں۔ اس واقعہ کو کاتبی نے خود اس طرح تحریر فرمایا ہے۔ ؎

میر خسرو را علیہ الرحمہ شب دیدم بہ خواب	گفتم ایں عصمت تا یک خوشہ چینِ خرمن است
شعر او از شعر تو چوں بیشتر شہرت گرفت	گفت ہاں کے نیست شعر او ہمیں شعر من است

نواب محمد صدیق حسن خاں مرحوم شمع انجمن میں لکھتے ہیں۔

خسرو دہلوی خسرو قلمرو معانی است و صاحبقرانِ سواد اعظم سخندانی۔ نمک کلامش شور افگن انجمنہا و سوز سینہ او آتش زن خرمنہا۔ در زبان عرب و عجم و ہند سخن گفت۔ عدد اشعارش بہ پنج لک شعرے رسد۔ سخن آفرینے باین قدرت و سر آمدگی در ایران دیار ہم نہ برخاستہ۔

ایک دوسرے مقام پر آپ لکھتے ہیں۔ صنائع و بدائع کہ در قدما ے از خسرو دہلوی و در متاخرین از شیخ حبیب اللہ اکبر آبادی بروئے کار آمد در قالب گفت در نیاید موقوف بر گلگشت مؤلفات و مجامیع ایشان است۔

مولوی ابو الحسن صاحب شارح مطلع الانوار فرماتے ہیں۔

خسرو دہلی ست بزدِ حسن خسرو اقلیم سخن بے سخن

مولوی ظہیر الدین صاحب فرماتے ہیں۔

بر ارباب سخن شناس نیکو ظاہر کہ ہر چند مذاق سخن تمام اہلِ سخن ہر یک بطرزِ جداست کہ یکے بہ دیگرے نمی ماند مگر کلامِ معجز نظام حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ را شانے و آنے دگر است ہر کہ وے دارد داند کہ دیگرانہ کیست و دہ نا رسہ چیست فہم من فہم

از اندرونِ خانہ چو آید ندا بروں ... خود واد کہ کیں بود متصور نہ از مکاں

ہر یک از شعرا بقدر حصہ از مبدء فیوض نصیبے دادہ اند کہ دراں صفت مستثنیٰ است گر حصہ ایں خسروِ اقلیم سخن از ہر صفت و ہر صنف بہرۂ وافی و نصیبے کافی است ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

منشی احمد حسین خاں صاحب حالاتِ سعدی میں فرماتے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو شہرت گلستان و بوستاں کی بدولت شیخ (سعدی) کو نصیب ہوئی اس کا عشر عشیر بھی خسرو رح کو نہیں ملا۔ مگر چشمِ انصاف سے دیکھ کر یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ امیر خسرو کی بعض غزلیات شیخ کی غزلیات سے بڑھی ہوئی ہیں۔

مسٹر ٹامس ولیم بیل صاحب اورینٹیل بایوگرافیکل ڈکشنری میں لکھتے ہیں۔ کہ امیر خسرو ہندوستان کے سب سے بڑے مشہور شعرا میں ہیں ہندوستان میں ان کی کتابیں مقبولِ عام ہیں اور فی الواقعہ وہ ایران کے نہایت قابل قدر شعرا کے کلام کا مقابلہ کرتی ہیں۔

حسین قلی خاں عظیم آبادی صاحبِ تذکرہ "ریاض الشعرا" لکھتے ہیں۔

وے (امیر خسرو رح) جامعِ کمالات صوری و معنوی وحاوی فضائل ظاہری و باطنی و عالمِ معقول و منقول و ماہرِ فروع و اصول بود از خداوندانِ کمال گوئے سبقت ربودہ و از اربابِ فضیلت در معرکہ فضیلت و دانشوری قدم اسبق گذاشتہ در جمیع نزاکتِ سخن و رسالت ایں فن شانے عالی و مقامے متعالی دارد۔ شرح نسخۂ فنون دانی او بیروں از حوصلہ تقریر و بیانِ انسان است باتفاق متاعیان سخن و صاحبانِ ایں فن سوز و گداز عاشقانہ و تاب و

وچیش پیدا کہ دکلام وے یافتہ مے شود در سخن دیگرے کمتر تواں یافت۔ ہر مصرعہ اش ابیست بر آں وہر بیتش تیغے است چوں تیغ ابروئے خوباں۔

مولانا امجد علی صاحب اشہری کتاب "ایشیائے شاعری" میں تحریر کرتے ہیں:

اِس دور کے قابلِ قدر زمانے میں جبکہ شیراز کو سعدی اور حافظ جیسے سخن طرازوں سے بلند نامی حاصل تھی دلّی کو امیر خسرو دہلوی کی سخن آرائی نے دوسرا شیراز بنا رکھا تھا خسرو کے کمالاتِ شاعری اور ادب پر ریویو کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک اِس مرتبے کا شخص نہ صرف دلّی بلکہ تمام دُنیا میں بھی دوسرا نظر نہیں آیا جس کی تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلاواسطہ مبدء فیاض سے مضمون پا رہا اور بلاذریعہ لوحِ محفوظ کو دیکھ رہا اور اس کی نقل اُتار رہا ہے اور جو اس کا اور صرف اس کا حصہ ہے۔

ظاہر ہے کہ شاعر کی طبیعت کا میلان مختلف وقتوں یعنی مختلف عمر میں یکساں نہیں رہتا اِس سبب سے سب سے پہلے امیر خسرو رح کی جدت پسند طبیعت نے اپنے کلام کو مندرجہ ذیل چار قسموں میں تقسیم کرکے چار دیوانوں پر مشتمل کیا۔

اوائلِ عمر	عہدِ جوانی	سن کہولت	پیرانہ سالی
تحفۃ الصغر	غرّۃ الکمال	وسط الحیات	بقیہ نقیہ

دیباچہ بقیہ نقیہ میں خود فرماتے ہیں۔ دریں وقت اکثر طبائع بغزل میل دارد و ازاں رونق بازار مدرس گرم است و سادیانِ سخن مے خوانند تا از شعلۂ غزل محرق مجلس را گرم گردانند ما کنوں مصلحت آں دیدم کہ بہوائے دلِ خویش کہ کثافتِ طبیعت او آب گشتہ است از ناثرۂ قلم روانہ گردانم قصد او صاف ہر غزلِ چہار تشبیہ بہ چہار عنصر برائے نمونۂ شعر ہر آئینہ تخیل حکما از چہار

طبع خویش سوال سازم تا بدانند شعر

تا بدانند کہ یک طبع رہے ہست چہار گرچہ زائید از و معدن و حیوان و نبات

معلوم خواطر اصحاب طبع باد کہ مرتبۂ اوّل غزلیات بمثابہ خاک سرد و خشک و کثیف و نازک است ایں غزلہا نیز بہ نسبت صنائع و بدائع خشک و تکلیفات سرد و کثیف تکلفات و کثافت میل کند چوں بکام پرداخت۔ آں دیوانِ اوّل تحفۃ الصغر ست ایں طفل خاک را کہ ایام خاکبازی ست با طفلاں و ہر ضعیفے رغبتے تمام غزلہائے دیوان بریں افتادہ است شعر

سہل باشد نباشد آں بسیار کانچناں اندک ست نے بسیار

مرتبہ آں بود و مرتبہ دوم غزلہا آب بود چوں آب بر خیال لطیف و از خاک برتر است و از کدورت الفاظ کثیف مصفا وسط الحیوۃ ست گرم و تر افتادہ است گوئی آبے ست کہ از آتش طبع خویش جوش بسیار یافتہ است از محل مائیت بمرتبہ ہوائیت رسیدہ و در حد مائیت نویش مانند .... و مرتبہ سوم غزلہائیست برشتہ باد چوں خاصیت آب گرم و تر افتادہ است و ایں غزلہا لطیف تر ست و رواں تر و برتر و از بس لطافت خلل پذیر بود و ایں غزلہا نیز مانند باد گرم و تر افتادہ است و از غزلہائے کہ مانند آب لطیف و رواں تر و عالم بے برود از آتش طبع قوت بسیار یافتہ است و از مقام ہوائیت بمرتبہ مائیت رسیدہ و ایں از آن غرۃ الکمال ست۔ غزلہائے او نیز بریں نوع م فتادہ است باید کہ خوانندہ بطبع وقاد تاویل نماید و مرتبۂ چہارم غزلہائے مثال آتش ست چنانچہ آتش بعلو میل دارد و ہیچ سر بہ پستی فرو نیارد و تنزل را درو راہ نبود ہیچ طبعے از و بلند تر نبود و باو نرسد چنانچہ حرارت خاصۂ آتش ست و در دلہائے نرم چوں آتش در پنبہ گیرد و دل آہنیں را قدرے نرم سازد و اگر دے ست کہ در د عشق جائے دارد نیک بسوزاند و خاکستر گرداند۔ غزلہائے بقیۂ نقیہ و بعد ازیں اگر شعلۂ روشن و آتش طبع وقاد کہ در شعر بود امید ست کہ از ایں غزلہائے سوزاں بلند کرد اشیر را سراسر آتش پارے گرداند بہ مثابتے کہ شعلۂ سوزان آں از

خرمن تاں سعد نوشتہ عطارد گیرد چنانکہ اشراق آں در چرخ افتد و شعلۂ آفتاب را آب گرداند۔

دیوان تحفۃ الصغر۔ وسط الحیات۔ غرۃ الکمال۔ بقیہ نقیہ کی نسبت ایلیٹ صاحب اپنی تاریخ میں حسبِ ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

امیر خسرو رح کے پہلے دیوان کا نام تحفۃ الصغر ہے اور اس میں وہ تصنیفات شامل ہیں جو انہوں نے سولہ برس کی عمر سے انیس [۱۹] برس کی عمر تک تصنیف کیں یہ دیوان سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کا ہے۔ اس میں علاوہ غزلیات کے سلطان اور شاہزادوں اور دیگر امراء کی مدح میں قصائد ہیں جو اکثر نوروز اور عید کے موقعوں پر کہے گئے ہیں۔ ترجیع بند عموماً حضرت نظام الدین اولیا رح یا سلطان بلبن کی شان میں ہیں۔ دوسرا دیوان وسط الحیات ہے جس میں چوبیس برس کی عمر سے بتیس برس کی عمر تک کی تصنیفات شامل ہیں اور اس کے قصائد عموماً حضرت نظام الدین اولیا رح کی مدح میں ہیں باقی قصائد دیگر امراء کی شان میں ہیں۔

تیسرا دیوان غرۃ الکمال ہے یہ امیر خسرو رح کا تیسرا اور سب سے بڑا دیوان ہے۔ اور مفتاح الفتوح بھی جو کہ ایک مثنوی ہے اسی دیوان میں شامل ہے۔ لیکن بوجہ اپنی عمدگی اور ترتیب کے علٰحدہ کتاب خیال کی جاتی ہے۔ اِس دیوان کے اکثر نسخوں میں یہ مثنوی بلکہ اِس کے علاوہ اور دوسری مثنویاں بھی شامل ہیں۔ لیکن جو نسخہ نواب ضیاء الدین خاں دہلوی کے کتب خانہ میں تھا اُس میں مثنوی وغیرہ کچھ نہ تھی۔ اور چونکہ اِس نسخہ پر ترکانہ شاہی اور جان بیگ کی مہر تھی اِس لئے گمان غالب ہے کہ یہی نسخہ مستند ہو۔ اس دیوان میں چونتیس برس سے بیالیس برس تک کی عمر کی تصنیفات شامل ہیں۔ اس کے شروع میں ایک پُر لطف اور دلچسپ دیباچہ ہے۔ جس میں مصنف نے اپنے حالاتِ زندگی قلمبند کئے ہیں۔ اس میں بھی حضرت نظام الدین اولیا رح اور دیگر امرائے دربار کی شان میں قصائد موجود ہیں اور ایک مرثیہ بھی ہے جو مصنف نے شاہزادے

افتخار الدین پسر سلطان جلال الدین کی وفات پر موزوں کیا تھا۔ اس دیوان میں نوروز اور عید وغیرہ کے موقعوں پر جو نظمیں موزوں کی گئی تھیں وہ سب موجود ہیں۔ دیوان کا حجم تقریباً ۴۰۰ صفحہ ہے۔

چوتھا دیوان بقیہ نقیہ ہے اس میں پچاس برس سے لیکر چونسٹھ برس تک کی عمر کی تصنیفات ہیں۔ اس میں بھی مندرجۂ بالا لوگوں کی شان میں قصائد سلطان کی وفات پر ایک مرثیہ اور اس کے علاوہ متفرق مثنویاں ہیں جو کہ شاہزادہ کی شادی اور دوسرے موقعوں پر نظم کی گئی تھیں۔ دیوان تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں امیر خسرو رقم لکھتے ہیں کہ چونکہ لڑکپن کا زمانہ تھا اس واسطے میں نے کبھی کلام جمع کرنیکا خیال نہیں کیا۔ میرا بھائی تاج الدین زاہد جس کی باریک بین طبیعت متلاشی طرۂ اشعار تھی اُن اشعار کو فراہم کرلیتا تھا اور جو کچھ میں نے ۱۶ برس کی عمر سے ۱۹ برس کی عمر تک کہا اس کا ایک مجموعہ اس نے بنایا۔ میں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ پانی میں ڈبو دینے کے قابل ہے۔ اُس نے نہ مانا اور فرمایش کی کہ اس کو مسلسل کردو۔ چنانچہ میں نے ہر حصہ کلام پر ایک شعر ابطور عنوان کے طور پر لکھکر لگا دیا۔ یہ میرا ایجاد ہے۔ مجھ سے پیشتر کسی نے یہ سلسلہ قائم نہیں کیا۔ اس دیوان کا نام تحفۃ الصغر ہے۔ سچ یہ ہے کہ ہر چند اوراق باطل جمع ہیں۔ میدان تشبیب ترانہ سے معمور تھا۔ اور پاؤں میں لنگ تھی۔ میں نے بہت چاہا کہ باد پائے قلم کو جنبش نہ کرنے دوں لیکن دوستوں نے نہ مانا۔ عموماً سب اور خصوصاً بھائی تاج الدین برابر بصرتہ میں برسوں اس تیغ بند گوہر کے سلک محبت میں کو تار رہا ہوں اور فوقیت کے اثر نے ہم دونوں کو بے مبالغہ برادران توام کی مثال بنا دیا ہے خدا ہمارے بھائیوں کی تعداد میں ترقی دے۔

بسکہ جانم یگانہ شد باد وگمانم کہ ایں ستم یا او

اس کا مقصود یہ تھا کہ یہ دفتر پریشان کسی شمار میں آجائے میں کہتا تھا کہ لوگ اعتراض کریں گے۔ وہ کہتا تھا کہ دانا یہ دیکھ کر کہ یہ بچپن کا کلام ہے اعتراض نہ کرے گا۔ نادان کے اعتراض کا لحاظ کیا۔ میں کہتا تھا کہ اس میں شتر گربہ (رطب و یابس) بہت ہے اس کا جواب تھا کہ لوگ اس کو تعویذ بنا کر مونشک باندھ کر (باندھ کی چوہیا) پر باندھیں گے

غرض برادر موصوف کے اصرار سے اِس مجموعہ کو یاران خوب شمائل کی خدمت میں پیش کرتا ہوں امید ہے کہ بطیبِ خاطر قبول فرمائینگے۔[۱]

امیر خسرو رح کے اِن چاروں دیوانوں میں سے آج کل عام طور سے کوئی دستیاب نہیں ہوتا اُنھوں نے اپنی زندگی میں ان چاروں دیوانوں سے انتخاب کر کے ایک دیوان مرتب کیا تھا جس کا نام عناصر خسرو ہے۔ یہ اُن کے کل کلام کا عطر یا اُن کے گلستان شاعری کا ایسا خوشنما گلدستہ ہے۔ جس میں گلہائے رنگا رنگ اپنے قدرتی جوبن دکھا رہے ہیں۔ اِس کے مختلف اشعار انواع و اقسام کے صنائع و بدائع سے آراستہ اور اُس کی غزلیں مضامین عاشقانہ۔ صفائی بیان۔ طرزِ ادا کی نزاکت سے پیراستہ ہیں۔

علمی دنیا منشی نول کشور صاحب سی۔ ایس۔ آئی کے اِس احسان کی ہمیشہ ممنون و مشکور رہے گی کہ اُنھوں نے دس برس کی لگاتار تلاش و جستجو کے بعد عناصر خسرو کا ایک پرانا قلمی نسخہ جو مصنف کے بہت قریب زمانے کا لکھا ہوا تھا دستیاب کر کے ۱۸۷۱ء میں اُس کو اپنے مطبع میں چھپوا دیا جو اُن کی بدولت شائقین کو آج تک عام طور سے مل جاتا ہے۔

دولت شاہ سمرقندی نے اپنے تذکرے میں امیر خسرو رح کے دیوان کی نسبت حسبِ ذیل تحریر فرمایا ہے۔

دیوان امیر خسرو رح کو فضلائے عہد جمع نہ کر سکے اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح سمندر کا برتن میں اور علم لدنی کا تحریر میں آنا ناممکن ہے اسی طرح اُن کا کل کلام جمع کرنا ناممکن امر ہے۔ شاہزادہ سعید بایسنغر بہادر نے نہایت تلاش اور کوشش سے ایک لاکھ بتیس ہزار بیتیں غزلیات کی جمع کر کے خیال کیا کہ اُن کا کل کلام جمع کر لیا لیکن اس کے بعد دو ہزار

[۱] مولوی حبیب الرحمن خاں شروانی (از مخزن)

بیتیں ایک دوسری جگہ سے دستیاب ہوئیں۔ اور جب لوگوں کو تحقیق ہو گیا کہ ان کے کل اشعار جمع کرنا مشکل ہے تو لوگوں نے اس خیال کو ترک کر دیا۔

عناصر خسرو میں اکیس قصیدے آٹھ سو نوے غزلیں ستاون قطعات و رباعیاں ہیں۔ اس کے کل اشعار کی تعداد سات ہزار سات سو پچاس ہے۔ ہر غزل یا قصیدہ کے شروع میں نام دیوان کا جس سے وہ قصیدہ یا غزل منتخب کی گئی ہے لکھا گیا ہے۔ اس خزائنِ خسروی سے یہ چند گوہر بے بہا دکھائے جاتے ہیں۔

قصیدہ فی توحید باری تعالیٰ

اے ز خیال ما بروں در تو خیال کے رسد
باصفتِ تو عقل را لافِ کمال کے رسد

گر ہمہ مردم و ملک خاک شوند بر درت
دامنِ عزتِ ترا گرد زوال کے رسد

کنگرِ کبریائے تو ہست فراز لامکاں
طائرِ ما دراں ہوا بے پر و بال کے رسد

بر درِ بے نیازیت صد چو حسینِ کربلا
تشنہ بماند بر گذر تا بہ زلال کے رسد

ہست بجلگاہِ دل جلوۂ قرب روز و شب
لیک بجلوہ چناں چشمِ خیال کے رسد

زاں چمنے کہ بلبلش روح قدس نمی سزد
گلخنیانِ خاک را بوے وصال کے رسد

توسنِ چابکاں سبک عرصہ کوے نیکواں
آنکہ فتاد و می کشش بر سرِ حال کے رسد

حرمتِ تو عاشقاں بر سرِ کوی منی سزد
راہروانِ پاک را لوثِ وبال کے رسد

آیتِ رحمت از حرم ہست براے حاجیاں
خسرو بت پرست را جز خط و خال کے رسد

ایضاً

اے بہ درماندگی پناہِ ہمہ
کرمت عذر خواہِ ہمہ

بندۂ نعلین رہروانِ درت — شہرۂ تکمۂ کلاہ ہمہ
قطرۂ زابرِ رحمتِ تو بس است — شستنِ نامۂ سیاہ ہمہ
از رہے بر مرا کہ در تو رسم — اے بسوے درِ تو راہ ہمہ
گنہِ ما ہمہ فزوں زقیاس — عفوت افزوں تر از گناہ ہمہ

خسرو از تو پناہ مے جوید
اے پناہِ من و پناہِ ہمہ

قصیدہ فی نعت سید المرسلین وخاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اے رسالت را علم افراختہ — دستِ تو تیغ شریعت آختہ
مرکبت کو بر مکاں بنہاد پائے — قدرِ تو بر لامکانش تاختہ
آدم و من دونہ تحت اللوا — آمدہ چوں تو لوا افراختہ
تہ قبائے چرخ را خیاطِ صنع — خاص بہرِ قامتت افراختہ
میمِ احمد را گزیدہ بعد ازاں — خاتمِ مُہرِ نبوت ساختہ
ہر کہ او از میمِ احمد طوق یافت — در یکے گوئی رود چوں فاختہ
جز خدا کس قدرِ تو نشناخت زانکہ — کس خدا را ہمچو تو نشناختہ
تافتہ نورِ تو از روزِ ازل — پرتوِ خود تا ابد انداختہ
دیدہ کش در نظر ناید بہشت — عشق با خاکِ جنابت باختہ
عاصیان در دو رو را کردگار — از برائے روئے تو بنواختہ

بندہ خسرو تا نوید نعتِ تو
نقشِ دل جانِ خود بگداختہ

قصیده فی المدح سلطان علاء الدین محمد شاه خلجی

دلا اے ہمچو شاخ گل لطیف و نازنین و تر   نشاط انگیز و عیش افزا و راحت بخش جان پرور
ندیبائی و لطف و نازکی و تازگی پیشت   چه ریحان و چه نسرین و چه شمشاد و چه نیلوفر
ز عکس عارض و جعد و بناگوش و دو چشم تو   دمد لاله چه سنبل فتد نسرین پر چه عبهر
ز گلگشت و جوی افشان نسیم و عطر تو بوید   چمن روح و سمن طیب و صبا مشک و گیا عنبر
تن و روے تو و خط و خد و بر و قد و لب لطفت   سمو مهر و شب و روز و گل و سرو و مے و شکر
شبم در هجر و بیداری ز شوق و غم بود بے تو   نفس مونس جگر بالش خسک بالین زمین بستر
زہے ابرو و مژگان نهے از نرگس و غمزه   خصومت ساز و عاشق سوز و افسون خوان و جادوگر
بیا تا با تو شاد و خرم و آسوده و خندان   شوم همدم کنم عشرت خورم باده کشم ساغر
که هست از عون و عدل و بذل جهان شه عالم   جهان خرم امان محکم طرب بے حد خوشی بے مر
جهانداری نکوکاری فلک قدری ملک صدری   علاء الدین علی حق محمد نام احمد فر
سرافراز و سرانداز و جهانگیر و مخالف کش   مظفر رایت گهر پاش و جهان بخش و کرم گستر
نورای و دم خلق و فن علم و هنر صافش   ثمر و ساخ و جان شاخ و تن بارگ حق را بر
امان و امن و عدل و راحت ست اندر زمان او   بمشرق و غرب و شهر و بیه و کوه و دشت و بحر و بر
جمال و زیب و یمن و فر گرفت از خطبه نامش   رخ جمعه صفت قبله در مسجد سر منبر
بزرگ و فخر و خاص و عام را ورد ذکر ذات او   صفت ورد و لقب حرز و دعا یاد و ثنا از بر
ربود و بود و بشکست و بست بادِ سنان او   ز مردان ان شیران جان خصمان تن شاهان سر
دران بیشه که از قهر و لوا و جنگ خون گردد   جهان و هم هوا آتش قضا ابلق سما اخگر
سواران و یلان و پردلان و صفدران بینی   کمند انداز و خنجر گیر و ناوک باز و جولان گر

به هنگام جنگ و حیله و حمله شود پیدا — دل از غضبت و بناز گرگ سگانه شیر و دلیر اندر
کند شاه از سنان و تیر و گرز و حربه گر خواهد — فلک زیر و زمین بالا و دوران پشت و دهر ابتر
حسود و دشمن و بدخواه و خصمش را رسد هر دم — بدن ناوک بجان زد پیکان تن نیزه لب خنجر
شکست هر دو دست گرد شست تو پشت پیل — رود ناوک دو دو پیلک چه سوراخ سپر و مغفر
ز رعب و بیم و ترس و هیبت شه گم کند آن دم — ثوابت جا ثریا ره کواکب پا ملایک پر
نشاید چار چیز از چار جا یک زخم تیر او — ز تن خون غبار آب و زره دود از سنگ آذر
به هر جاے صف و کوس رکاب مرکبش باشد — شرف کوکب علو رایت بقا ساق ظفر رهبر
جهاندارا به علم و حلم و مهر و کین سر آید دم — تن عالم دل دریا کف معدن سر لشکر
سریر ملت و ملک جهان در ضبط خود کرده است — به کار و بار و دین و کیش و دوست و دشمن و داور
ز عنف و لطف تو هستند مردم عاشق مفلس — به نار و نور و دود و داد و سوز و ساز و خیر و شر
ز جلالت هر امیر و پهلوان و گرد لشکر کش — تهمتن تن سیاوش وش فریدون فر سکندر در
حریم بارو چتر ملک و نعل اسپ و پابوست — در خلد و شب قدر و مه عید و حج اکبر
ستر رضوان و حور آفتاب زهره و زینت — نشاط آغاز و ساحت زیب و نقل آرای و خنیاگر
ز طبع و ذهن و فهم و وهم خسرو یافت وحدت — زبان گوهر سخن هدیه قلم حلیه ورق دفتر
همیشه تا بشکل طول و عرض و عمق چرخ آمد — ز نه توسن وجد جدی و سر قطب خط محور

بجز مه و مشتری زهره و شمسم باد ستیر کجا خوانی

قدر حالی فلک خادم قضا حافظ خدایا ور

غزلیات

بقیه

اے چهرهٔ زیباے تو رشک بتان آذری — هر چند وصفت میکنم لیکن ازاں بالاتری

آفاقها گردیده‌ام مهر بتان ورزیده‌ام — بسیار خوبان دیده‌ام اما تو چیزی دیگری
تا نقش می‌بندد فلک کس را نداده این نمک — حوری ندانم یا ملک فرزند آدم یا پری
هرگز نیاید در نظر نقشی ز رویت خوب‌تر — شمسی ندانم یا قمر یا زهره یا مشتری
من تو شدم تو من شدی من جان شدم تو تن شدی — تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری
تو از پری چابک‌تری وز برگ گل نازک‌تری — وز هر چه گویم بهتری حقا عجائب دلبری
عزم تماشا کرده‌ای آهنگ صحرا کرده‌ای — جان و دل ما برده‌ای این است رسم دلبری
لعل بدخشان دیده‌ام الماس سنجیده‌ام — دُرّ عدن را چیده‌ام یکتا تو درج گوهری
عالم همه یغمای تو خلقی خدا شیدای تو — آن نرگس شهلای تو آورده رسم کافری
ای راحت و آرام جان با قد تو سرو روان — زینسان مرو دامن‌کشان کآرام جانم می‌بری

خسرو غریب است و گدا افتاده در شهر شما
باشد که از بهر خدا سوی غریبان بنگری

تحفة الصغر

ابر می‌بارد و من میشوم از یار جدا — چون توانم دل ازین روز ز دلدار جدا
ابر باران و من و یار ستاده به وداع — من جدا گریه‌کنان ابر جدا یار جدا
سبزه نوخیز و هوا خرم و بستان سرسبز — بلبل روی سیه مانده ز گلزار جدا
ای مرا در ته هر بند ز زلفت بندی — چه کنی بند ز بندم همه یکبار جدا
دیده‌ام بهر تو خونبار شد ای مردم چشم — مردمی کن مشو از دیدهٔ خونبار جدا
نعمت دیده نخواهم که بماند پس ازین — مانده چون دیده ازان نعمت دیدار جدا
دیده صد رخنه شد از بهر تو خاکی در دست — زده در بگیر و لیکن رخنه پیهم ز نار جدا
می‌دهم جان مرو از من و گرت باور نیست — پیش ازان خواهی تو لبتان نگهدار جدا
حسن تو دیر نماند چو ز خسرو رفتی — گل نه بس دیر نماند چو شد از خار جدا

مسلمانان گرفتارم بدستِ نامسلمانے — ازیں دیوانہ بدمستے وبدخوئے وناداﻧﮯ

جلوہ آشنا بندے بخندہ پارسا بینے — بغمزہ ناخدا ترسے بکشتن نامسلمانے

بابرو فتنہ انگیزے بنرگس عالم آشوبے — بہ بالا آفت آبادے بہ کاکل کافرستانے

دعاے بدنخواہم کرد لیکن اینقدر گویم — کہ یارب مبتلا گردے چو من روزے بہجرانے

طبیباں بر جانِ ناتوانم غم مخور چندے — رہا کن جانِ من ہجرانے از زخم بہ درمانے

کنوں یادِ شراب و شاہد و مستی و قلاشی
گذشت است آنچہ خسرو راے بود است وسامانے

گرچہ خوباں ز حد فزوں باشند — پیش آں ماہِ من زبوں باشند

ہر ملامے کہ روے او دیدند — تا نباشند سرنگوں باشند

گفتمش بندہ ایم گفت خموش — تو چہ دانی کہ بندہ چوں باشند

یار مہمانِ تست اے دیدہ — مردماں اگو بروں باشند

اے دلِ خوں گرفتہ عشق میار — کہ بتاں تشنگانِ خوں باشند

عافیت را بخواب مے جویند — دردمنداں کہ بے سکوں باشند

عقل دردسرست زیں معنی — عارفاں عاشقِ جنوں باشند

تو بروں رو کہ سینہ ام کانِ جاں — یار یاراں ز اندروں باشند

عشق بازی ز خسرو آموزند
لیلی و مجنوں از کنوں باشند

چہ بلاست از دو چشمت نظرِ نیاز کردن — مژہ را کشاد دادن درِ فتنہ باز کردن

چو کمالِ صنع بے چوں ز جمال تست پیدا — نتواں حدیث عشقت ز رہِ مجاز کردن

ہمہ خوابِ مردماں شد بد و دیدہ تلخ یارب — ز کجات گشت شیریں حرکاتِ ناز کردن

چہ خوشست با تو خلوت کہ دہد سر تملق خویم — ز تراشِ مال گواہی بہ زبان ساز کردن

تو نجسپ خوش که ما از غمش چو شمع جو شد — همه روز زنده بودن همه شب گداز کردن
بجفات دل نهادم بمن آنچه می توانی — چه کنم که تو انم ز تو احتراز کردن
بهوس فدا کنم جاں بدرت که نیست عاری — پسرِ سبکتگیں را ہوسِ ایاز کردن
صفِ عاشقانست اینجا بدرے مقید رحمت — که بشهر بت پرستاں تواں نماز کردن

چه بود متاع خسرو که کند نثار جاناں
مگسے چه طعمه راند به دہان باز کردن

بخرام اے سروِ رضواں که ز باغ رضواں خوشتری — دلدادگانِ خویش را ے کش که از جاں خوشتری
در ہوشیاری مہوشی سرمست و غلطاں دلکشی — چوں ہو کنی شانه کشی طره پریشاں خوشتری
چوگانت دلجوے از ہمه سر بدہ هر موے از ہمه — خوش میبری گوے از ہمه در لعبِ چوگاں خوشتری
با آنکه خوش باشد چمن از سرو و نسرین و سمن — بسیار دیدم از تو من بسیار ازیشاں خوشتری
هر چند میم دلبر آشنه ترست ایں دل مرا — خواهم بیا شامم ترا کز آبِ حیواں خوشتری
گرچه جوانی خوش بود بے تو ندانی خوش بود — در زندگانی خوش بود حقا که تو از جاں خوشتری
باغی چه باشد دل به بیں کاں نجا کنی منزل گزیں — در چار سوے جاں نشیں کز بستاں خوشتری
نقشِ تو اے شمعِ چگل بیروں ہم زیں آب و گل — لیکن تو نی چوں گنج دل در کنج ویراں خوشتری

دارم ز تو دردے قوی گیخوا بکش از سر نوی
زانکه که دردِ خسروی لیکن ز درماں خوشتری

انتخاب غزلیات

غرة الکمال

اے با دبدمع بر فکن آں زر وے آتشناک را — وے دیدہ گر صفرا کنم آبے بزن ایں خاک را
خنجر کدا میں خس بود کز سوز عشق از بس بود — یک ذرہ آتش بس بود صد خرمن خاشاک را

غزل

بشگفت گل در بوستاں آں غنچۂ خنداں کجا … شد وقت عیش دوستاں آں لالۂ بستاں کجا

ہر یار کو در خندہ شد چوں من بزارش بندہ شد … صد مردہ زاں لب زندہ شد و سودِ مرادِ ساں کجا

گفت باں مرداں گر جاں دہی یابی اماں … من سکیم فرماں بجاں آں یارِ بے فرماں کجا

گفتم تو ئی ایں در تنم تا ہست جانِ روشنم … گفتی کہ آرے ایں منم گر ایں تو ئی پس جاں کجا

پر ہیچ بر افگن اے پری حسنِ بلا انگیز را … تا کلک صورت بشکند ایں عقل رنگ آمیز را

دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا … تنم از بیدلی بیچارہ شد بیچارہ تر بادا

صد ہزاراں آفریں جاں آفرینِ پاک را … کافرید از آب و گل سروِ چنیں چالاک را

جاں خدائے دوست کن کم زاں بتِ ہندو نژاد … کز وفائے شوے در آتش بسوزد خویش را

خسروا گر انگبیں می خواہی از دست گر ایں … اوّل اندر کامِ شیریں کن زبانِ خویش را

ما ہر دو با بہ خونِ من مستشتاب … کشتنِ عاشقاں ندید صواب

چہ ملامت کنید خسرو را … فاتقوا اللہ یا اولی الالباب

دلِ ما را ز دستِ غم اماں نیست … نشانِ شادمانی در جہاں نیست

جہاں را آشنا و من بہ غم غرق … مگر دریائے محنت را کراں نیست

اندراں معرض کہ خود سازندہ سوزد مردِ عشق … اے بسا مردِ خدا کو کمتر از ہندو زنے ست

یار چوں با ماست بہر دیدنش تعجیل چیست … یوسف اندر مصرِ دل در دیدہ رود نیل چیست

چوں جمالت آیتِ رحمت شد اندر شانِ خلق … آخر ایں چندیں بہر کشتنم تاویل چیست

ایکہ خسرو را نصیحت مے کنی از بہرِ عشق … پندِ چوں مے نشنود بیہودہ قیل و قال چیست

گلستاں نیست ۔۔۔ بستانت از رخ خوباں … کہ مرغِ آں گلستاں خسرو سحر البیان آمد

بیم اں کہ ۔۔۔ جہاں بشناختہ اند … دو روزہ برگِ اقامت در و نساختہ اند

سرے کہ زیرِ زمیں شد نہفتہ شاہاں را … ہماں سر است کہ بر آسماں فراختہ اند

خسروا دل بد مکن از نامرادیہائے دہر … کاسماں ایں ہمہ بہ آدم ہشیار بود

دو چشمت کہ تیرِ بلا مے زند — چنیں تیر بر پارسا مے زند
کماں جانبِ دیگرے مے کشد — و لے تیر بر جانِ ما مے زند
زہے غمزۂ کز شوخی و چابکی — بجائے نشاید کجا مے زند
چو بوئے ترا در چمن مے برد — نسیمِ بہار از صبا مے زند
کسیکہ یارِ وفادار مہرباں دارد — سعادتِ ابد و عمرِ جاوداں دارد

خراشِ سینۂ خود بابتِ خونخوار مے گویم — حسابِ خویشتن میدانم کہ غم با یار میگویم
من ایں آہِ جگر سوز از دلِ پیماں شکن دارم — چرا از دیگرے نالم کہ دردِ خویشتن دارم
بجائے محنتِ ایوب واندوہِ دلِ یعقوب — بلا انسیت و بیماری و تنہائی کہ من دارم
ز دنیا میرود خسرو و بزیرِ لب ہمے گوید — دلم بگرفت ازیں غربت تمنائے وطن دارم

اے آرزوِ امیدواراں — وے مرہمِ دردِ دل فگاراں
از دشمنی آنچہ بود کردی — اے دوست چنیں کنند یاراں
گر شرح دہم غمِ تو صد سال — یک قصہ نگویم از ہزاراں

خواہی دلا فرو بس جان خسار جانانہ ہمیں — دربابیت سرو رواں آں میر خوبانہ ہمیں
اے دل کہ ہستی بیقرار از ہر روے آں نگار — ایں جانت مے آید بکار آں شکل جانانہ ہمیں
اے بت پرستِ ہندو چنیں کرنا دبت بوسی ہمیں — چندیں چہ گوئی بت چنیں آں یک مسلمانہ ہمیں
گم کرد جانا بر درت ہم جان وہم دل چاکرت — در گیسو عذر آورت ایں را بجو آں را ہمیں
دارم ز تو داغ کہن ور نیست باور ایں سخن — بنداز م و دل پارہ کن واں داغ پنہانہ ہمیں

روا ے صبا و سلامم بدلنواز رساں — نیاز بندہ بہ آں شوخ عشوہ ساز رساں
سلام خدمتِ ما اے صبا بہ یار بگوے — فغان و زاری دلِ بلبل بہ نو بہار بگوے
بیچارہ خسرو خستہ را خوں ریختن فرمودہ است — خلقے بہ بنت یکطرف آں شوخ تنہا یکطرف

قطعہ و رباعیات

مرد بخشندہ کسے را گویند کہ بہ درویش دہد پے در پے
ہر کہ بخشد بہ تو اگر درمے خندہ کن گرچہ بود حاتمِ طے
ابر اگر بر سرِ دریا بارد شاید ار برق بخندد بروے

ولہ
حاصلِ خود بخور و اندوہِ بیہودہ مخور باشد آنرا چہ خوری حاصلِ دیگر باشد
و گر آنرا نخوری حاصلِ دیگر نشود غم امروز ہمان روزت در خور باشد
ابلہی باشد باہستی نہ غم خوردن ہر کہ او غم خورد و نہ نخورد خر باشد

ولہ
روشندلانِ صاف درون را خلل بود در کار خلق چشم کشادن بخیر و شر
پوشیدہ نیست نزد ہمہ کس کہ طاس را سوراخ عیب باشد و غربال را ہنر

ولہ
تا کے اے بے ہمت از بہر دو فلس کردہ یک قبلہ سازی وہ کہ ہستی جاہلِ افسردہ را
گر قباے مے کنی بارے منہ سر بر زمیں زانکہ در دیں سجدہ نبود نمازِ مردہ را

ولہ
بجاہ فقر تو اگر نماے ہمت باشی کہ گرچہ ہیچ نداری بزرگ دارندت
بدانکہ در ہمہ ہستی شوی خسیس مزاج اگرچہ قاروں باشی گدا شمارندت

ولہ
از عزّ محمد ار نداری خبرے کن از رہِ عقل در شہادت نظرے
اللہ و محمد ست پیوستہ بہم یعنے کہ میان شان نگنجد دگرے

ولہ
وصفِ شرفِ تو بیش مدارک آمد سبق ادبت نعبد و ایاک آمد
توقیع تو کز صحیفہ پاک آمد لولاک لما خلقت الافلاک آمد

ولہ
احمد نامے کہ کانِ عالم زو بود یک توے قبالیش فلک نہ تو بود
بسیار چکید قطرہا از آدم
آں قطرہ کہ بحر گشت آخر او بود

مختلف کلام

مختلف تاریخوں اور تذکروں سے امیر خسرو رح کا وہ چیدہ کلام جو عناصرِ خسرو یا دیگر تصنیفات موجودہ میں نہیں ہے درج کیا جاتا ہے۔

در تعریف ماہ نو عید

برآمد ماہِ عید از اوجِ گردوں
طرب چوں ماہِ نو شد ہر دم افزوں

بلوحِ آسماں نونے است یا عین
اگر بیروں نہ دست از کلکِ بیچوں

بگردش ہست چندیں نقطہ را جسم
اگر یک نقطہ باشد بر سرِ نوں

ببیں اندر رکوع آں پارۂ نور
ہلالش گوے خواہی خواہ ذوالنوں

ہمانا حلقۂ گوشِ سپہر است
کہ دارد از کواکب درِ مکنوں

سوادِ شام در پیشِ مہِ نو
مگر لیلےٰ ست در پہلوئے مجنوں

چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ
مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

غزل

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب
دردمندِ عشق را دارو بجز دیدار نیست

ابلہا و دیدۂ گریانِ من نسبت مکن
نسبتِ باراں کے دارد و سے خونبار نیست

شاد باش اے دل کہ فردا بر سرِ بازارِ عشق
مژدۂ قتل است گرچہ وعدۂ دیدار نیست

ما غریباں را تماشائے چمن در کار نیست
داغہائے سینۂ ما کمتر از گلزار نیست

ناخدا در کشتئ ما گر نباشد گو مباش
ما خدا داریم ما را ناخدا در کار نیست

خلق مے گوید کہ خسرو بت پرستی مے کند
آرے آرے مے کنم با خلق عالم کار نیست

غزل

تو ئی در ملکِ جاں خسرو چہ خسرو خسروِ خوباں | برو نخل قدت فتنہ چہ فتنہ فتنۂ دوراں
جمالت مجمعے باشد چہ مجمع مجمعِ خوباں | بخوبی تو بہ یوسف چہ یوسف یوسفِ کنعاں
دہانت غنچہ باشد چہ غنچہ غنچۂ دلکش | چہ دلکش دلکشِ خرم چہ خرم خرمِ خنداں
بزلفت یکے ہندو چہ ہندو ہندوئے کافر | چہ کافر کافرِ رہزن چہ رہزن رہزنِ ایماں
چو خسرو بندہ باشد چہ بندہ بندہ عاشق | چہ عاشق عاشقِ بیدل چہ بیدل بیدلِ ہجراں
خسروا در عشقبازی کم ز ہندو زن مباش | کز برائے مردہ سوزد زندہ جانِ خویش را
بتم سلطانِ ملکِ حسن و ما و سالکِ درویشاں | ولا او من فراہم کن کجا او و کجا ایشاں

مثنوی

شاید بادشہ را ہست بودن | نہ در عشق و ہوس پیوست بودن
بود شہ پاسبانِ خلق پیوست | خطا باشد کہ باشد پاسباں مست
شباں چوں شد خراب از بادۂ ناب | رمہ در معدۂ گرگاں کند خواب

در آئینے کہ رسمِ ملک داری ست
ثباتِ کارہا در ہوشیاری ست

متفرق رباعیات

رفتم سوئے حظیرہ و بگریستم بہ زار | از ہجرِ دوستاں کہ اسیرِ فنا شدند
ایشاں کجا شدند چو گفتم حظیرہ است | وآواز صدا جواب کہ ایشاں کجا شدند
اقبال را بقا نبود دل درو مبند | عمرے کہ بر غرور گذاری ہبا بود

گر فیست بادرت ز من این نکتهٔ شریف	اقبالؔ چو طلب کنی لالعتا بود
خسرو چه حالتست که در دہر عالماں	از جاہلان دون دنی بازپس تر اند
این نکته ما ببین و بانصاف خوش سرائے	کز چار حرف قطره و دریا برابر اند
از شعلهٔ عشق ہر کہ افروختہ نیست	با دسر سوزنی دلم دوختہ نیست
گر سوختہ دل نہ ز ما دور کہ ما	آتش بدلے زنیم کو سوختہ نیست

ہندی کلام

امیر خسرو رح کا ہندی کلام بھی بہت تھا جو اب نہیں ملتا۔ ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں کی حالت اُس زمانہ میں بالکل ایسی ہوگی جیسی آج انگریزوں کی ہے۔ آج انگریز اور انگریزی تعلیم یافتہ اُردو اور دیگر ملکی زبانوں اور اُنکی تصنیف و تالیف کو نہایت بے قدری اور نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور اُن میں تصنیف و تالیف اور کمال پیدا کرنے کو کوئی کمال نہیں سمجھتے اسی طرح اُس زمانہ میں مسلمانوں کا حال ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہندی کلام کی ترتیب و تدوین کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ صرف چند گیت اور پہیلیاں اور مکرنیاں اور انمل دوہرے وغیرہ اور ایک غزل اور خالق باری کا اختصار آج تک مشہور چلا آتا ہے جن کا بیان باب پنجم میں ہوچکا ہے۔

باب ہفتم

شعرائے عہد

امیر حسن علائے سنجری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

نجم الدین نام حسن تخلص سادات عظام دہلی سے تھے۔ باپ کا نام علاؤ الدین سیستانی تھا۔ حضرت امیر خسرو رح اور یہ دونوں میدانِ سخنوری میں توام اور مصداق ان ھذٰن لساحرون کے ہیں۔ آپ حسن وجمال میں شہرۂ آفاق تھے۔ ابتدائے حال میں روٹی کی دُکان کرتے تھے۔ جب امیر خسرو رح اور ان سے محبت پیدا ہوئی اُس وقت سے علوم وکمال کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور بہت تھوڑی مدت میں قابلیت علمی کے علاوہ اخلاق وعادات اوضاع و اطوار اور دیگر اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ سے موصوف ہوئے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے محمدؒ تغلق کے عہد تک ہر بادشاہ کی ملازمت اور مصاحبت میں رہے اور ہر بادشاہ نے اُن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اعزاز واکرام سے رکھا۔

ملا قاسم فرشتہ تاریخ فرشتہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ مع حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرو اسطے پرانی دہلی کو تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت خواجہ رح کی زیارت سے فارغ ہو کر تالاب شمسی کے کنارے رونق افروز ہوئے اُس مقام پر امیر حسن شاعر جنکا

سن اس وقت پچاس برس سے زیادہ تھا اور جو ابتدائے حال میں حضرت سلطان المشائخ رح سے رابطۂ اتحاد اور مصاحبت کلی رکھتے تھے مع ایک جماعت یاروں کے مے نوشی میں مشغول تھے۔ جب حضرت کو دیکھا۔ آپ کے روبرو آئے اور یہ بیتیں پڑھیں ؎

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم زمستان فسق از دلِ ما کم نہ کرد	گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست فسقِ ما ہاں بہتر از زہدِ شماست

حضرت سلطان المشائخ رح نے اِن بیتوں کو سُنکر ارشاد فرمایا کہ صحبت ما را اثرہاست انشاء اللہ روزے بود۔ یہ جواب جادو کی طرح اُن کے دل پر اثر کر گیا فوراً سر برہنہ کر کے حضرت سلطان المشائخ رح کے قدموں پر رکھ دیا اور جمیع مناہی سے تائب ہو کر مع اپنے رفقا کے مشرف بہ بیعت ہوئے اور ایسا مرتبہ پایا کہ مقبولان و محبوبان حضرت سلطان المشائخ رح سے ہو کر زمرۂ اولیاء اللہ میں شامل ہوئے۔ تائب ہونے کے بعد آپ نے ایک غزل میں یہ بیت موزوں کی تھی۔ اور اس کو اکثر پڑھا کرتے تھے۔

اے حسن توبہ انگہے کردی کہ ترا طاقتِ گناہ نہ ماند

مولانا جامی رح نفحات الانس میں اور مولانا ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکارم اخلاق اور محامد اوصاف اور لطافت و ظرافت اور قناعت اور عقل و فہم اور روش صوفیہ اور پاکیزہ اعتقادی اور شگفتہ روئی اور تہذیب میں مثل امیر حسن رح کے بہت کم دیکھا اور سنا گیا ہے۔

اُن کی تصنیف و تالیف کی نسبت مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ علاوہ دیوان اور مثنویات کے نظم و نثر میں اُن کی بہت سی تصنیفات ہیں اور چونکہ وہ نہایت روانی سے وصافی غزلیں موزوں کرتے تھے اِس وجہ

سے خاص و عام اُن کو سعدی ہندوستان کہتے تھے۔

مولانا جامی رح بہارستان میں فرماتے ہیں کہ غزل میں اُن کا رنگ خاص ہے۔ اُنھوں نے ایسے تنگ قافئے اور عجیب و غریب ردیفیں اور خوش رنگ بحریں اختیار کی ہیں کہ اُن کے اشعار بادی النظر میں آسان معلوم ہوتے ہیں لیکن کہنے میں بہت دشوار ہیں اور اسی وجہ سے سہل ممتنع کے نام سے مشہور ہیں۔

امیر حسن رح تمام عمر مجرد رہے اور جس زمانے میں کہ محمد شاہ تغلق نے دہلی کے بجائے دولت آباد بسانا شروع کیا۔ یہ بھی مشائخ دکن کی زیارت کی آرزو میں دولت آباد تشریف لے گئے اور اسی جگہ ۲۹- صفر ۷۳۶ھ ۱۳۳۵ء کو وفات پائی۔ اور بالا گھاٹ پر مدفون ہوئے[1]

مخدوم اولیا نے یہ قطعہ تاریخ وفات میں لکھا ہے۔ مادہ تاریخ میں ایک عدد کی بیشی ہے۔

چو خواجہ امیر حسن دہلوی آہ　　　بردہ بعالم شدہ شور برپا
سنش علشقے از سر آرزوے　　　بگفتہ حسن یافت نزد نبی جا

صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں۔ کہ قبر اُن کی دولت آباد میں مشہور ہے اور لوگ بطور تبرک اُس کی زیارت کیا کرتے ہیں۔ اب تک یہ ہی حال ہے۔ اور دور دور سے لوگ مزار پر حاضر ہوتے ہیں اور اپنے بچوں کی ترقی ذہن کے واسطے شکر مزار پر ڈال کر کھلاتے ہیں۔

[1] امیر حسن دہلوی رح کی درگاہ خلد آباد کی آبادی کے قریب واقع ہے جو دولت آباد سے تین کوس پر ہے احاطہ درگاہ میں میر غلام علی آزاد بلگرامی کا بھی مزار ہے۔

شہنشاہ اکبر کے عہد میں ملک الشعرا فیضی دکن تشریف لے گئے تھے انھوں نے خاندیس سے بادشاہ کے نام ایک طول طویل عرضداشت بھیجی تھی اس میں لکھتے ہیں۔ تربتِ میر حسن دہلوی در دولت آباد است غالباً ہمراہ سلطان علاؤالدین آمدہ اینجا عمر مستعار بآخر رسانید بخاطر رسید کہ دیوانِ او کشودہ یک غزل تبرکاً و تیمناً تتبع نمودہ شود اتفاقاً ایں غزل آمد ؎

باز نوائے بلبلاں عشقِ تو یاد مے دہد ہر کہ بہ عشق نیست خوش عمر بباد میدہد

فیضی نے اِس غزل کے تتبع میں جو غزل اِس موقع پر لکھی تھی اُس کا مطلع اور مقطع یہ ہے ؎

صبح کہ ترکِ مستِ من شیشہ کشاد میدہد عقل بخاک میدہد صبر بباد مے دہد
فیضی نامرادِ من از غمِ دہر غم مخور زانکہ مرادِ اہلِ دل شاہ مراد مے دہد

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس فاضل باکمال کی تصنیف و تالیف سے اب سوائے فوائد الفواد کے اور کوئی یادگار باقی نہیں۔ اُن کا دیوان بھی نہیں چھپا۔ نہ عام طور سے دستیاب ہوتا ہے۔ تذکروں اور تاریخوں میں بھی اُن کی غزلیں اور اشعار بہت کم پائے جاتے ہیں۔ فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ رح کے ملفوظات ۳۔ ماہ شعبان ۷۰۷ھ سے ۱۱ شعبان سنہ ۷۲۲ھ تک کے جمع کئے ہیں۔ اِس کتاب کا اُردو میں ترجمہ ہو گیا ہے۔

صاحبِ سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ امیر خسرو رح فرمایا کرتے تھے کہ کاش فوائد الفواد میری طرف منسوب ہوتی اور میری تمام تصانیف امیر حسن رح کے نام ہوتیں۔

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ امیر حسن شعر میں امیر خسرو رح کا تتبع کرتے تھے اور اُن کا کلام بہت شیریں ہے اور اس زمانہ ۸۹۲ھ میں اُن کا دیوان عزیز و مکرم ہے۔ امیر حسن رح خود فرماتے ہیں ؎

حسن گلے ز گلستانِ سعدی آوردہ است
کہ اہلِ معنی گل چینِ آں گلستانند

اپنے اور امیر خسرو رح کے کلام کی نسبت فرماتے ہیں قطعہ

خسروا ازراہ کرم بپذیرد
آنچہ من بندہ حسن مے گویم

سخنم چوں سخنِ خسرو نیست
سخن این ست کہ من مے گویم

حضرت سلطان المشائخ رح نے ان کے اور امیر خسرو رح کے کلام کی نسبت یہ فقرہ فرمایا تھا "کلامِ خسرو دریائے شور است و کلامِ حسن جوئے شیریں"۔ مختلف تذکروں سے امیر حسن رحمۃ اللہ علیہ کا تھوڑا سا کلام انتخاب کرکے درج کیا جاتا ہے۔

غزل

ساقیا مے دہ کہ ابرے خاست از ساغر سفید
سر و را سر سبز شد صد برگ را چادر سفید

بادہ در جامِ بلوریں دہ مرا اگر مے دہی
خوب مے آید شرابِ لعل را ساغر سفید

ابر چوں چشمِ زلیخا بہر یوسف ژالہ بار
ژالہ ہا چوں دیدۂ یعقوب پیغمبر سفید

عنکبوتِ غار را گفتم کہ ایں پردہ چہ بود
گفت مہمانِ عزیزم مد کہ کردم در سفید

اے حسن اغیار را ہرگز نباشد طبع راست
راست است ایں زاغ را ہرگز نباشد پر سفید

غزل

نیست چو رویت بہ گلستاں دگر
روئے دگر باشد و بستاں دگر

یار چہ سخت ست دلِ کافرت
سخت دگر باشد و سنداں دگر

از تفِ عشقت جگرم پختہ شد
پختہ دگر باشد و بریاں دگر

غمزۂ خونخوار تو خونم بریخت
غمزہ دگر باشد و پیکاں دگر

گفت اگر عاشقِ مائی بیہ
عشق دگر باشد و قرباں دگر

چشمِ حسن بین و درد و موجِ حسنِ ان
موج دگر باشد و طوفان دگر

کارے کہ بود با تو مرا بیشتر نہ رفت — سر رفت در ہوائے تو ایں درد سر نہ رفت

مرا از زلف او موئے پسند است — فضولی میکنم بوئے پسند است
چہ لشکرے کشی بر قلبِ عشاق — صف مغلوب را ہوئے پسند است

کشتم زفرق تا بقدم حلقہ در رکاب — آں شہسوار من قدم از من دریغ داشت
وله
رسوا روند از سر کوئے تو زاہداں — بر سر سبوئے بادہ بجائے عمامہا
وله
تو آفتابی و من صبح نتواں دانست — کہ بے تو من نتوانم نفس بر آوردن
وله
از خویش بروں رو۔ زدر دوست دروں آئے — تا گم نشوی گم شدۂ خویش نیابی
وله
من بودم و کنجے و حریفے و سرودے — غم را کہ نشاں داد بلا را کہ خبر کرد
وله
مشکل سرو کاریست کہ بر وعدۂ معشوق — صابر نتواں بود و تقاضا نتواں کرد
وله
حسن دعائے تو گر نیست مستجاب مرنج — ترا زبان دگر و دل دگر دعا چہ کند
وله
چرخ را در اصل چوں خلقت کج است — دور کج را فعل کج آید ترا است
وله
مورِ مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد — دست بر پائے کبوتر زد و ناگہ برسید
وله
نیر متم بلا شد بوئے زلفش — خراب اندر پئے آں بوئے رفتیم
وله
عطار گو بہ بند دکاں را کہ من ز دوست — بوئے کشیدہ ام کہ بمشک و عبیر نیست

وله
زہے ترکے کہ از چشمانے ابرو — کماں پیدا کند پنہاں زند تیر
بگوشش مدعی کے جائے گیرد — مزامیرے کہ ہست اندر مزامیر

رباعی

دارم دلکے غمگیں بیامرز و مپرس — صد واقعہ درکمیں بیامرز و مپرس

شرمندہ شوم اگر بپرسی علم ۔۔۔ اے اکرم الاکرمی بیامرزو مپرس

دیگر

یک حرف تو چل صباح عالم را نور ۔۔۔ یک حرف تو ہشت خلد را مایۂ حور
حرف سیمیں چہل و سہ را دستور ۔۔۔ زاں چار چہار رکن عالم معمور

ملک سعدالدین منطقی

یہ سلطان جلال الدین خلجی کے مصاحبوں میں تھا۔ ابتداے حال میں قلندری میں بسر کرتا تھا۔ بادشاہ نے جامۂ قلندری سے نکال کر امیر کبیر بنادیا۔ یہ اور عبید شاعر اُن لوگوں میں تھے کہ حسد کی آگ میں جل کر چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنے کلام کو امیر خسرو رح کے کلام پر ترجیح دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ باوجود تلاش ان کا کوئی کلام دست یاب نہیں ہوا۔

عبید

غیاث الدین تغلق کے عہد میں ایران سے ہندوستان میں وارد ہوا۔ شاہزادۂ الغ خاں (محمد تغلق) کی ملازمت میں نہایت اعزاز و اکرام سے بسر کرتا تھا۔ لیکن نہایت بلند نظر۔ مغرور۔ بددماغ اور بدنیت تھا۔ اکثر علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ لیکن طبیعت بیہودہ گوئی پر بہت راغب تھی۔ اپنے آپ کو امیر خسرو رح کا مدِ مقابل سمجھتا تھا۔ آپ کی نسبت اُس کا یہ شعر مشہور ہے ؎

غلط افتاد خسرو راز خامی ۔۔۔ کہ سکبا پخت در دیگ نظامی

سنہ ۷۲۱ھ/۱۳۲۱ء میں جبکہ شاہزادہ الغ خاں قلعہ ارنگل کا محاصرہ کر رہا تھا کسی وجہ سے دہلی

کی ڈاک آنے میں دیر ہوئی۔ عبید نے مفسدہ پردازی کی وجہ سے یہ خبر لشکر میں اڑا دی کہ بادشاہ (غیاث الدین) کا انتقال ہوگیا۔ اس خبر سے تمام لشکر میں کھلبلی پڑ گئی اور عبید مع چند دیگر سرداروں کے لشکر سے بھاگ گیا لیکن شاہزادے نے بہت جلد گرفتار کرا کر دہلی بھیج دیا۔ جہاں بادشاہ نے اس کو قتل کرا دیا۔

عبید کے کلام سے یہ رباعی اور غزل مشہور ہے۔ **رباعی**

اے خواجہ ممن تا بتوانی طلب علم
کاندر طلب راتبہ ہر روز بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز
تا داد خود از کہتر و مہتر بستانی

رسد بہ تشنۂ رویت جمال مہ بکمال
بروز نکہت رویت صبا خبر بہ شمال
زند بہ تیر نظر غمزہ ات نشانۂ مہر
کشد بہ گوشۂ چشم ابروت کمان ہلال
توئی کہ آب حیات از لبت بود سائل
خوشا کسے کہ کند بالبت جواب و سوال
حرام گشتہ بغیر از عبید در عشقت
بشاعران تخیل نمائے سحر حلال

قاضی مغیث ہانسوی

سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں ایک بڑا عالم فاضل تھا۔ اس نے ایک غزل لکھی تھی جو انیس بحروں میں پڑھی جاتی تھی۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے

دو دو گوش و قد خوش و دو خد خوب و خط تر
فر تو فری پری و پرے و با کرو فر

ان کے علاوہ امیر خسرو رح کے ہمعصر اور بھی بہت سے شاعر مثل تاج الدین عراقی اور مؤید جرجامی اور مؤید دیوانہ اور امیر ارسلان کلامی اور اختیار الدین باغی گذرے ہیں لیکن جس طرح کہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں چراغ کی روشنی کو فروغ نہیں ہوا اور نہ آج ان کا کلام ملتا ہے۔ اکثر مؤرخین نے تو صرف یہ

لکھ کر ٹال دیا ہے کہ امیر خسرو رح اور امیر حسن رح کے علاوہ اور بھی شاعر اس وقت میں صاحبِ دیوان تھے مگر ان کے حال لکھنے کے بعد ان کا ذکر کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

خاتمہ کتاب

	ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما	(حافظ)

اے شناورِ دریائے حقیقت و توحید و اے بلبلِ گلستانِ چشت و اے طوطیٔ بوستانِ نظامیہ۔ مجھے اوائل عمر سے آپ کے ساتھ جو محبت اور اعتقاد ہے اس کے لحاظ سے میں نے اپنی بساط کے موافق فارسی اُردو انگریزی کے بیش بہا اور لازوال خزانوں سے آپ کے کمالات کے خوشنما گوہروں کو چن چن کر ان اوراق پریشاں میں جمع کیا ہے۔ مگر میری بے بضاعتی اور کم علمی کی وجہ سے آپ کے اوصاف و کمالات کا سچا اور خوشنما فوٹو مجھ سے نہ کھینچ سکا۔

اے جامع علوم ظاہری و باطنی و منبع کمالات صوری و معنوی!

آپ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی تعریف مجھ جاہل محض کے بیان کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کے اخلاق اور اوصاف کی مجسم یادگاریں اور فخر کی دستاریں خود آپ کی تصنیفیں تالیفیں صفحۂ روزگار پر موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہینگی۔

اے نخلبند بوستانِ سخن آرائی!

آپ کا نامِ نامی میری طرف سے شہرت کا محتاج نہیں ہے بلکہ خود آپ کے مضامین سحر آمیز کے خوشنما پھول اس گلشنِ دہر میں اپنے قدرتی اور لازوال

جو بن کی بہار دکھا دکھا کر آپ کے نام نامی اور اسمِ گرامی کی شہرت اور عزت کا باعث ہیں۔

اے صدر آرائے مجالسِ صفا!

آپ کی نیک زندگی کے حالات لکھنے میں میری مثال مانند اس بڑھیا کے ہے جو محض اپنے جوشِ عقیدت سے ایک پندیا سوت کی لے کر بازار مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں شامل ہوئی تھی۔ پس میں نہایت صدقِ دل اور عاجزی سے آپ کی روح سے اپنی ناکامی اور درماندگی کی معافی چاہتا ہوں۔

اور

بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دعا ہوں

کہ

آپ کے نام اور کلام کی برکت سے ان پراگندہ اوراق کو قبولیت عام کا اعزاز اور مجھ عاجز گنہ گار کے نام کو آپ کے نامِ نامی کے طفیل میں بقائے دوام کا افتخار حاصل ہو اور انجام بخیر ہو۔

آمین یارب العالمین

ضمیمہ

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین محمد بدایونی قدس سرہ العزیز

تمہید

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور انبیاے عظام علیہم السلام کے ذکر کے بعد کوئی ذکر اولیائے کرام اور صوفیان عظام کے ذکر سے بہتر نہیں ہے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ عند الذکر الصالحین تنزل الرحمۃ یعنے اللہ تعالےٰ کی رحمت صالحین کے ذکر کے وقت نازل ہوتی ہے۔ مولانا سید عبدالواحد بلگرامی رح فرماتے ہیں ؎

اے دل از اخلاق مرداں بہرہ مند آرستی ۔۔۔ بارے اخلاقِ بزرگاں رازِ جاں تکرار کن
عند ذکرِ الصالحین الحق نزولِ رحمت ست ۔۔۔ ہر زماں ذکرِ جوانمردانِ دیں بسیار کن
کہ بدل برخو بشے احوالِ شاں مشتاق باش ۔۔۔ گر ز چشم از پاکیِ اخلاق اشک ایثار کن

حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے اولیاء خدا کی باتیں یاد رکھو اور جو یہ بھی نہ ہوسکے تو اُن کے اسمائے گرامی ہی یاد رکھو کہ یہی کافی ہیں۔

خود حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے امیر خسرو رح ملفوظات مشائخ کو یاد کرو اور اُن کا ذکر کیا کرو کہ اُن سے دل کو کیفیت پیدا ہوتی ہے

اگرچہ ہماری زبان اُردو میں حضرت سلطان المشائخ رح کی متعدد سوانح عمریاں اور ملفوظات شائع ہو چکے ہیں لیکن محض اس سعادت ابدی اور دولتِ سرمدی کے حصول کی خواہش میں حضرت کا مختصر ذکر خیر ان پراگندہ اوراق میں تیمناً و تبرکاً تحریر کیا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ یہ چشمۂ خیر اس ناچیز کتاب کے واسطے آبِ حیات کا باعث ہو اور اسے مقبولیت عام اور بقائے دوام کا مرتبہ حاصل ہو اور یہی ذکرِ خیر قیامت کے دن اس عاجز گنہگار بندۂ شرمسار کی بخشش کا وسیلہ ہو۔ بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ؎

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

دعا

یارب اندر معصیت دارم بہ اہلِ اللہ صفا آں صفارا چارۂ عفوِ منِ بدکار کن
روزِ مرداں کہ لَا خَوْفٌ وَّلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ بندۂ مملوک آزاد از عذابِ نار کن
کسوتِ اہلِ از منِ نااہل لبیس ست اگر ہم تو بر مستہزئے موسیٰ ہمیں کار کن

بندۂ گنہگار عاجز و شرمسار

(مولانا سید عبدالواحد)

سعید مارہری

حضرت سلطان المشائخ رح کا ذکر خیر

حضرت کا اسم مبارک نظام الدین محمدؒ اور آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ سید احمدؒ ہے آپ سادات عظام حسینی سے ہیں۔ نسب شریف آپ کا بعض کتب سیر میں اٹھارہ واسطہ سے اور بعض میں انیس واسطہ سے حضرت شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ سے اس طرح ملتا ہے۔

حضرت سید[1] احمدؒ بن حضرت خواجہ سید[2] علی الحسینی البخاری بن سید عبداللہ[3] بن سید[4] حسن بن سید[5] میر علی بن سید[6] میر احمدؒ بن سید[7] میر ابی عبداللہ بن سید[8] میر علی اصغر بن سید[9] جعفر بن سید[10] علی امام بن سید علی[11] الہادی النقی بن سید[12] امام محمد ن الجواد بن امام الاتقیا حضرت امام[13] علی موسے رضا بن امام[14] علی موسے کاظم الغیظ بن الامام الہمام حضرت[15] جعفر صادق بن الامام محمد[16] ن الباقر بن الامام علی حضرت زین[17] العابدین بن الامام فی الارض والسماء سلطان الشہداء جناب[18] حضرت امام حسین الشہید رضی اللہ عنہ ابن امام الاولیاء حضرت علی مرتضےٰ علیہم السلام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں آپ کے جد امجد حضرت خواجہ علی بخاریؒ اور جد مادری حضرت خواجہ سید عرب رح نے بخارا یا غزنی سے ہندوستان میں تشریف لاکر پہلے لاہور میں قیام کیا اس کے بعد بدایوں تشریف لائے اور وہیں سکونت اختیار کی اور دونوں بزرگوں میں آپس میں قرابت پیدا ہوئی۔ یعنی خواجہ عرب رح نے اپنی دختر نیک اختر رابعۂ عصر بی بی زلیخا کی شادی خواجہ سید احمدؒ خلف خواجہ علی رح کے ساتھ کی۔ خواجہ احمدؒ نہایت صالح متقی اور صاحب فضل و کمال تھے اُن کا مزار بدایوں میں ہے۔

۶۳۶ھ (۱۲۳۶ء) میں بروز آخری چہار شنبہ ۲۷۔ صفر کو بعد از طلوع آفتاب بطن

حضرت بی بی زلیخا سے حضرت سلطان المشائخ رح پیدا ہوئے۔ مولانا جمالی صاحب العارفین کیا خوب فرماتے ہیں ؎

آفریں از خدائے بر پدرے — کہ ازو ماند ایں چنیں پسرے
پدرے را کہ آنچناں خلف است — مادرے را کہ ایں چنیں پسرے
آفتابش بر آستین قباست — ماہتابش بر آستان در است

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی زلیخا کاملۂ روزگار اور رابعہ عصر تھیں۔ اخبار الاخیار اور فوائد الفواد میں خود حضرت سلطان المشائخ رح سے منقول ہے۔ کہ والدہ ما را با خدائے آشنائی بودیعنے اُن کو اللہ تعالےٰ سے دوستی تھی آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میری والدہ ماجدہ کو کوئی حاجت پیش آتی تو پانچ سو بار درود شریف پڑھتیں اور دامن مبارک اپنا پھیلا کر دعا مانگتیں وہ دعا مقبول ہوتی تھی جس دن گھر میں غلہ موجود نہ ہوتا تھا تو جب میں گھر میں جاتا مجھ سے فرماتیں۔ نظام الدین امروز ما مہمانِ خدائیم۔ مجھ کو یہ سخن بہت پیارا معلوم ہوتا تھا ایک روز میں اِسی سخن کے ذوق میں تھا کہ اتفاقاً ایک مرد ایک تنگہ کا غلہ لاکر میرے گھر میں دے گیا۔ چند روز متواتر اُس سے روٹی پکا کر گذر کی میں تنگ آگیا کہ کب میری والدہ یہ لفظ فرمائیں گی کہ ما مہمان خدائیم جب وہ غلہ تمام ہوا اور میری والدہ نے فرمایا کہ ما مہمان خدائیم اُس وقت جو ذوق اور راحت مجھ کو پیدا ہوئی وہ بیان نہیں ہو سکتی۔

جب حضرت سلطان المشائخ رح کی عمر پانچ برس کی ہوئی آپ کے والد ماجد نے اِس دارفانی سے انتقال فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ متکفل آپ کی پرورش اور تربیت کی ہوئیں اور مکتب میں برائے تعلیم قرآن مجید و فرقان حمید بھیجنا شروع کیا۔ اوّل آپ نے خواجہ شادی مقری بدایونی سے ایک پارہ قرآن شریف کا پڑھا اسکے

بعد مولانا سید علاؤالدین اصولی اور مولانا کمال الدین سے علم ظاہری حاصل کیا۔
ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ نے علماء اور مشائخ شہر کی دعوت فرمائی اور جلسہ دستاربندی مصنیت منعقد فرمایا۔ ایک پگڑی اپنے دست مبارک سے سوت کات کر آپ کی والدہ نے بنوائی تھی وہ پگڑی ایک صاحب کمال درویش علی مولانامی نے حضرت سلطان المشائخ کے سر پر باندھی۔ حضرت نے اپنا سر مبارک علی مولا کے قدموں پر رکھا۔ انہوں نے دعا دی کہ اللہ تجھ کو علمائے دین سے کرے۔
بیس یا پچیس برس کی عمر میں آپ مع اپنی والدہ ماجدہ کے دہلی تشریف لائے اور ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں سکونت اختیار کی۔
اس وقت دہلی میں ایک فاضل متبحر خواجہ شمس الدین خوارزمی تھے ان کے حلقۂ درس میں آپ نے شامل ہو کر مقامات حریری کے چالیس مقامے پڑھے اور علم حدیث کی سند حاصل کی۔
صاحب تاریخ فرشتہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے اور ہمیشہ آپ کا دل انوار منزل کتب معتبرہ تصوف مثل فصوص الحکم اور مواقع النجوم اور ان کی شرحوں کے مطالعہ کی طرف مائل تھا۔ فقہ حنفی اور تفسیر و حدیث اور اصول و کلام میں آپ مہارت تمام رکھتے تھے۔
منقول ہے کہ جس زمانے میں کہ عمر شریف آپ کی بارہ برس کی تھی اور آپ بدایوں میں کتب لغت پڑھتے تھے ایک قوال ابوبکر نامی ملتان سے آپ کے استاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کرنا شروع کیا کہ میں نے شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی رح کی مجلس میں راگ گایا اور یہ شعر پڑھا

قد لسعت حیۃ الھوی کبدی

دہر آئینہ ڈسا ہے مار عشق نے میرے جگر کو (مصرع دوم) اس کو اسوقت یاد نہ آیا جس کو آپ نے یاد دلایا وہ یہ حال دیکھ کر آپ کی جانب مخاطب ہوا اور آپ سے اپنے سفر اور خانقاہ شیخ بہاء الدین زکریا رح کے حالات بیان کرنا شروع کئے اور کہا کہ خانقاہ شیخ موصوف میں ہر شخص ذاکر ہے حتی کہ لونڈیاں جو آٹا گوندھتی ہیں اپنے کام میں بھی ذکر اور شغل سے فارغ اور خالی نہیں رہتیں۔ میں ایک عرصے تک وہاں رہا۔ بعدہٗ روانہ ہو کر پاک پٹن میں آیا اور وہاں زیارت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہٗ سے مشرف ہوا۔ آپ اس قدر باعظمت اور ہیبت ہیں کہ حال شریف آپ کا اور درویشان خانقاہ کا میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ کی ذات ایک عجب دریائے فیض ہے کہ آنے والا کیسا ہی بدبخت ہو خانقاہ مبارک سے محروم نہیں جاتا۔ بمجرد استماع ان حالات کے حضرت سلطان المشائخ رح کو عشق غائبانہ حضرت بابا خواجہ فرید الدین شکر گنج رح کا پیدا ہو گیا اور اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے آپ ہی کا خیال دل میں رہنے لگا۔ جب آپ بدایوں سے دہلی تشریف لائے۔ اتفاق سے آپ جس حجرے میں مقیم تھے اسی کے قریب حضرت شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ کا، جو چھوٹے بھائی بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے تھے مکان تھا۔ وہ نہایت درجے کے صاحب باطن اور عالم صوری و معنوی تھے۔ حضرت سلطان المشائخ رح بہ حسن عقیدت اکثر آپ کی خدمت میں نشست و برخاست رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ فیما بین بہت محبت اور اتحاد بڑھ گیا۔ ایک دن آپ نے ان سے فرمایا کہ آپ میرے واسطے دعا فرمائیں کہ میں کسی جگہ کا قاضی ہو جاؤں تاکہ خلق خدا کے مقدمات و معاملات کو انصاف سے فیصل کیا کروں۔ یہ سنکر حضرت نجیب الدین رح ساکت ہو رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ آپ یہ سمجھے کہ شیخ نجیب الدین رح نے نہیں سنا۔ پھر آواز

بلند کہا التماس فاتحہ کی رکھتا ہوں۔ اس مرتبہ شیخ نجیب الدین متوکل رح نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالےٰ تو قاضی نہ ہوگا لیکن وہ ہوگا جو میں جانتا ہوں۔ اسکے بعد ایک شب کو جبکہ آپ جامع مسجد دہلی میں تھے صبح کی نماز کے وقت آپ نے سُنا کہ مؤذن نے منارے پر یہ پڑھا۔ اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ (کیا وقت نہیں پہنچا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں اُنکے دل اللہ کی یاد سے) یہ سنتے ہی آپ کا حال متغیر ہوا اور نور الہٰی نے آپ کو گھیر لیا۔ چونکہ اُس زمانے میں خواجہ فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی مشیخت اور کرامت کا شہرہ عالمگیر ہو رہا تھا۔ اور پہلے ہی سے حضرت کے غائبانہ عشق میں آپ مبتلا تھے صبح ہوتے ہی بغیر سواری اور زادِ راہ کے انتظام کے آپ پاک پٹن کی طرف روانہ ہوئے۔ راحت[1] القلوب میں آپ خود تحریر فرماتے ہیں۔ کہ بتاریخ ۱۰۔ ماہ رجب المرجب ۶۵۵ہجری بروز چہار شنبہ مجھے سعادت قدمبوسی حضرت سید العابدین سند العارفین کی حاصل ہوئی آپ نے نہایت مہربانی اور شفقت فرمائی اور خرقہ اور نعلین چوبی (کھڑاویں) مرحمت فرمائیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ ولایت ہند کسی دوسرے شخص کو تفویض کرنے کا تھا مگر تم راستے میں تھے کہ مجھ پر الہام ربانی ہوا کہ یہ نظام الدین کا حق ہے جب وہ حاضر ہو اُسے عنایت کرنا چاہئے۔ میں یہ سُنکر قدمبوس ہوا اور اس شوقِ ملازمت کا حال بیان کرنا چاہا جو مجھے واسطے حضوری کے تھا الّا زبان نے یاری نہ دی اور دہشت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی غالب آئی آپ نے روشن ضمیری سے واسطے رفع ہیبت کے فرمایا کہ جانے وحشت اور مقام

---

[1] راحت القلوب۔ اس کتاب میں حضرت سلطان المشائخ رح نے ملفوظات اپنے پیر بابا فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے جمع فرمائے ہیں ۱۲

خوف نہیں ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس روز حضرت سلطان المشائخ رح شرف بیعت سے مشرف ہوئے آپ نے خدمت مرشد میں عرض کی کہ اگر حکم صادر ہو تو میں ترک تعلیم کرکے اوراد و نوافل میں مصروف ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم و تعلم سے منع نہیں کرتا یہ بھی کرو اور وہ بھی کرو۔ غالب اپنے مغلوب کو آپ ترک کرادے گا۔ درویش کو کسیقدر علم ضرور ہونا چاہئے۔ اسکے بعد آپ خانقاہ مبارک میں مصروف عبادت ہوئے اور طریقہ مجاہدہ اور ریاضت کا اختیار کیا۔ آٹھ ماہ کے بعد ۲۔ ربیع الاول ۶۵۶ھ کو حضرت بابا فریدالدین شکر گنج رح نے دستار مبارک حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کاکی رح کی اپنے سر پر سے اتار کر حضرت سلطان المشائخ رح کے سر پر رکھ دی اور عصا مرحمت فرماکر خرقہ خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہم جو سلسلہ بسلسلہ چلا آتا تھا اپنے دست مبارک سے حضرت سلطان المشائخ رح کو پہنایا اور فرمایا کہ نماز دوگانہ شکرانہ ادا کرو۔ اس کے بعد سند خلافت حضرت شیخ بدرالدین اسحٰق رح سے لکھوا کر اپنے دست مبارک سے عطا فرمائی اور بغلگیر ہوکر ارشاد فرمایا کہ جاؤ خدا کو سونپا۔ حضرت سلطان المشائخ حسب الحکم مرشد کامل کے پاک پٹن سے دہلی تشریف لائے اور حضرت نجیب الدین متوکل رح سے سب حالات وہاں کے بیان فرمائے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔

اس کے بعد آپ آبادی سے دور ایک غیر معروف جگہ غیاث پور میں سکونت پذیر ہوکر یاد الٰہی میں مشغول ہوئے۔ جب ۶۸۶ھ ہجری میں سلطان معزالدین کیقباد نے موضع کیلوگڈھی میں جو نزدیک موضع غیاث پور کے تھا قصر شاہی اور قلعہ تعمیر کراکر شہر آباد کیا اور جامع مسجد بنائی اس وقت سے ایک انبوہ کثیر اچھے

پاس آنے جانے لگا۔ خود آپ سے منقول ہے کہ جب خلق کا مجمع ہجوم ہوا اور آمد و رفت امرا اور ملوک بہ کثرت ہونے لگی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس جگہ سے چلا جانا مناسب ہے۔ اسی اندیشے میں تھا کہ اسی روز عصر کے وقت ایک جوان صاحب جمال بنہایت نحیف البدن آیا اور مجھے دیکھتے ہی یہ اشعار زبان پر لایا ؎

آں روز کہ مہ شدی نمیدانستی	کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بربود	در گوشہ نشستنت نمیداری سود

اس کے بعد یہ بات کہی کہ آدمی کو اول مشہور نہ ہونا چاہئے اور جس وقت مشہور ہوا پھر اسے گمنام ہونے کا خیال نہ کرنا چاہئے۔ ورنہ فردائے قیامت حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو شرمندہ ہونا ہوگا۔ اس کے بعد کہا کہ کس قدر پست ہمتی اور کم حوصلگی کی بات ہے کہ خلق سے گوشہ گیر ہو کر حق سے مشغول ہوں بلکہ مردوں کا یہ کام ہے کہ باوجود کثرت آمد و رفت خلائق حق سے مشغول رہیں۔ جب وہ خاموش ہوا میں نے کسی قدر طعام۔ جو موجود تھا اُن کے روبرو رکھا اُنھوں نے نہیں کھایا۔ میں نے اسی وقت دل میں نیت کی کہ یہیں رہونگا۔ جس وقت میں نے یہ نیت کی اُنھوں نے ہاتھ کھانے میں ڈالا اور کسی قدر تناول فرمایا اور پانی پیا اور چلے گئے۔ بعد اس واقعہ کے میں نے اُن کو کبھی نہیں دیکھا۔

اسی عرصے میں امیر خسرو رح مع اپنے بھائیوں اعزالدین علی شاہ اور حسام الدین کے حضرت کے مریدوں میں داخل ہوئے اور خاص و عام بجانب حضرت کے رجوع لائے اور دروازے فتوح کے مفتوح ہوئے کہ ایک عالم نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن باوجود اس شوکت و عظمت کے ریاضت اور مجاہدہ آپ کا اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہر روز روزہ رکھتے اور وقت افطار بہت تھوڑا کھانا تناول فرماتے اور سحری بھی نہ کھاتے تھے۔ اہل خانقاہ نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ آپ کھانا بہت

کم کھاتے ہیں اور سحری بھی تناول نہیں فرماتے۔ اس سبب سے آپ کی قوت بہت کم ہو جاوے گی۔ آپ یہ سنکر رو پڑے اور فرمانے لگے کہ بہت سے درویش اور مساکین مساجد اور دوکانوں کے گوشوں میں بھوکے پیاسے فاقہ زدہ پڑے ہوئے ہیں اُن کا یہ حال ہو اور میں شکم سیر ہوں۔ اس حالت کی یاد آوری سے کھانا میرے حلق کے نیچے نہیں اُترتا۔ ایسی ہی باتیں فرما کر آپ زار زار رونے لگتے۔ اور لوگ مجبور ہو کر دستر خوان سامنے سے بڑھا لیتے تھے۔

مجاہدہ اور روزے کی نسبت آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ ہنگام سفر کشتی میں تنہا حضرت بابا فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ دہلی میں بیکار رہنا اچھا نہیں ہے۔ مجاہدہ اختیار کرنا روزہ ہمیشہ رکھنا کیونکہ روزہ نصف راہ دین ہے اور دیگر اعمال نصف راہ دیگر۔

منقول ہے کہ آپ شب کو حجرہ خاص کا دروازہ اندر سے بند فرما لیتے تھے۔ اور تمام شب راز و نیاز میں مشغول رہتے تھے۔ جب صبح کے وقت دروازہ کھولتے تو بوجہ شب بیداری چشم مبارک سرخ ہوتی تھیں۔ اُس وقت جس کی نظر آپ کے جمال مبارک پر پڑتی وہ یہی تصور کرتا تھا کہ ایک مست و مخمور ہیں۔ امیر خسرو رح اسی ضمن میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

تو شبینہ مے نمائی بہ برے کہ بودی امشب ۔۔۔ کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد

حضرت سلطان المشائخ رح کو سماع سے بہت رغبت تھی۔ وہ تسو قوال جن کا سردار امیر حسن قوال تھا آپ کی خانقاہ کے وظیفہ خوار تھے۔ امیر خسرو رح اور خواجہ حسن بھی کہ علم موسیقی میں عدیم المثال تھے مجلس سماع میں نہایت خوش الحانی سے گاتے تھے۔

منقول ہے کہ جس زمانے میں حضرت سلطان المشائخ رح اپنے پیر حضرت بابا فرید شکر گنج رح کے حضور میں حاضر رہتے تھے ایک مرتبہ حضرت بابا صاحب نے آپکے پاجامے کی طرف نظر کی تو وہ بہت بوسیدہ اور پھٹا ہوا معلوم ہوا۔ حضرت بابا صاحب نے اپنے گھر میں سے اپنا پاجامہ طلب فرماکر آپ کو عنایت فرمایا اور کہا کہ اس کو پہن لو آپ نے کمال خوشی سے اسی وقت اپنے پاجامے پر اس کو پہن لیا لیکن جب کمر بند باندھتے تھے تو وہ کھل جاتا تھا۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ اچھی طرح باندھو آپ نے فرمایا کہ کس طرح باندھوں۔ فرمایا کہ ایسا باندھو کہ پھر حوروں کے واسطے بھی نہ کھلے۔ آپ نے سر قدموں پر رکھ کر قبول کیا اور بتوفیق الٰہی آخر عمر تک مجرد رہے اور مباشرت نہیں فرمائی۔

منقول ہے کہ خانقاہ عالی میں دو ہزار تنکہ روزانہ خرچ مطبخ اور خیرات فقرا و مساکین وغیرہ میں اُٹھتا تھا۔ روزانہ جس قدر نذر و نذرانہ آتا تھا سب فقرا اور مساکین پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ایک روز سلطان علاء الدین خلجی نے ایک مندیل زر و جواہر سے مملو کرکے برسم نذر حضرت سلطان المشائخ رح کے پاس بھیجی۔ اس وقت ایک قلندر اسفندیار نام حضرت کے پاس بیٹھا تھا۔ دور سے اس کی نگاہ اس پر پڑی۔ اور اسے دیکھ کر حضرت کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ایہا الشیخ ہدایا مشترک۔ آپ نے ازراہ ظرافت جواب دیا۔ اما تنہا خوشترک قلندر نے مایوس ہو کر اُٹھنا چاہا آپ نے فرمایا کہ تنہا خوشترک سے میرا یہ مقصود تھا کہ تنہا تجھے مبارک ہو۔ یہ فرماکر تمام زر و جواہر اس قلندر کو بخشا۔ اس سے تنہا نہ اُٹھ سکا اور خانقاہ کے خادموں نے اسکی مدد کی۔

حضرت سلطان المشائخ رح سے اس قدر کرامات اور خوارق عادات منسوب ہیں کہ اگر مختصر بھی بیان کئے جاویں تو ایک ضخیم کتاب طیار ہو جاوے افسوس ہے

کہ اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔ جن صاحبوں کو شوق ہو وہ سیر الاولیا۔ سیر العارفین۔ راحت المحبین۔ افضل الفوائد۔ اخبار الاخیار۔ اور دیگر کتب سیر میں ملاحظہ فرماویں۔

منقول ہے کہ آپ نے رحلت فرمانے سے چالیس روز پیشتر کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ آٹھ مہینے سے آپ کو بول و براز نہیں ہوتا تھا۔ ایک روز اقبال اپنے خادم کو دربار بلا کر فرمایا کہ جو کچھ اسباب نقد و جنس ہماری ملکیت سے ہے وہ سب حاضر لاؤ کہ ہم مستحقین کو تقسیم کر دیں۔ خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ جو کچھ فتوح میں آب آتا ہے وہ اسی دن خیرات ہو جاتا ہے۔ البتہ چند ہزار من غلہ کا انبار ہے۔ کہ جو روزانہ خرچ لنگر میں صرف ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کس واسطے رکھا ہے اُسے بھی جلد باہر نکالو۔ اور مستحقین کو تقسیم کرو۔ غرضکہ اسی وقت تمام غلّہ اور اسباب لٹوا دیا۔ اور بعد نماز ظہر بدھ کے دن حضرت شیخ نصیرالدین محمود رح کو طلب فرما کر خرقہ اور عصا اور مصلا اور تسبیح اور کاسۂ چوبی جو اپنے پیر سے ملا تھا عطا فرمایا اور کہا کہ تم کو یہیں دہلی میں رہ کر زمانے کے جور و جفا پر صبر کرنا چاہئے۔ اس کے بعد نماز عصر آپ نے ادا فرمائی اور تھوڑی دیر بعد تاریخ ۱۸ ربیع الثانی سنہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء کو ۹۴ برس کی عمر میں آپ جوارِ رحمتِ حق میں واصل ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

منقول ہے کہ حالتِ بیماری میں اکثر آپ بیہوش ہو جاتے تھے۔ جب ہوش آتا ارشاد فرماتے کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں اگر کہا جاتا کہ آپ ادا

لہ حضرت امیر خسرو رح نے جو مرثیہ لکھا ہے۔ اس میں یہ بیت تاریخ وصال میں تحریر فرمائی ہے۔

ربیع دوم و ہژدہ زمہ در ابر رفت آں مہ — زمانہ چوں شمار بیت داد و پنج و ہفصد را

فرما چکے ہیں تو آپ ارشاد فرماتے کہ ایک مرتبہ اور پڑھ لوں۔ اسی طرح ایک وقت کی سحر رسہ کر نماز ادا فرماتے تھے اور اکثر یہ مصرعہ وردِ زباں رہتا تھا۔

میروم و میروم و میروم

مزار مبارک آپ کا مرجع حاجات خلائق اور زیارت گاہ خاص و عام موجودہ دہلی سے تین کوس جانب دکن واقع ہے یہ مقام حضرت کی زندگی میں غیاث پور کے نام سے مشہور تھا اب آپ کی درگاہ عالی کے باعث درگاہ نظام الدین کے نام سے موسوم ہے۔

یہ قطعہ تاریخ وصال کسی نے خوب موزوں کیا ہے جو درگاہ میں دیوار مسجد پر کندہ ہے ؎

نظامِ دو گیتی شہِ ماو طیں ۔۔۔ سراجِ دو عالم شدہ بالیقیں
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب ۔۔۔ ندا داد ہاتف شہنشاہ دیں

حضرت کے بہت سے خلیفہ ایسے ہیں کہ جو اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں اور اُن سے بے شمار فیض جاری ہوئے ہیں لیکن سب سے مشہور فاضل و کامل یہ بزرگوار ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رح حضرت امیر خسرو رح حضرت شیخ برہان الدین غریب رح حضرت خواجہ حسن علا سنجری دہلوی رح مولانا فخر الدین زرادی رح۔ مولانا علاؤ الدین نیلوی رح۔ مولانا شمس الدین یحییٰ رح۔ مولانا حسام الدین ملتانی رح۔ مولانا سراج الدین عثمان رح۔ شیخ قطب الدین منور رح مولانا وجیہ الدین پائلی رح۔

امیر خسرو رح حضرت کے مریدوں کی نسبت کیا خوب فرماتے ہیں۔

وان مریدان رہروانِ یقیں — ہر یکے وارثِ ولایت و دیں
ہمہ شیطان کش فرشتہ خدم — ور رہش بر ہوا نہادہ قدم
زندہ دار شب اندم تسبیح — غلغل افگندہ در رواق مسیح
بر سوا آستینِ شرع ساختہ تاج — دل شاں عرش و سجدہ شان معراج
سکۂ وحدت بنامِ ایشان ست — بندہ خسرو غلام ایشان ست
نام من زاں ستودہ کیشاں باد — حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

حضرت امیر خسرو رح نے حضرت سلطان المشائخ رح کی مدح اور شان میں اس قدر فرمایا ہے کہ اگر سب کو یک جا جمع کیا جاوے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہوجاوے۔ اس میں جابجا و تیمناً کچھ حصہ باب دوم میں نقل کیا گیا ہے اور چند اشعار اس مقام پر بھی درج کئے جاتے ہیں۔ قطعہ

قطبِ عالم نظامِ ملت و دیں — کآفتابِ کمال شد رخِ او
وز جنید و ز شبلی و معروف — یادگارے ست ذاتِ فرخ او
شیخ ایشاں اگر چنیں بودہ — ورنہ بودند ایں چنیں شیخ او

مثنوی

غوثِ عالم نظامِ ملت و دیں — قطبِ ہفت آسمان و ہفت زمیں
رہبر پیش بیں محمد نام — زدہ پے بر پئے محمد گام

تمت

تمام شد

(۹۶) ۱۶

وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر

مسلمانوں میں قومیت کی روح پھونکنے اور انکو متمدن اقوام کے درجہ میں لانے کے لئے بڑی ضرورت ہے کہ مفید اسلامی لٹریچر کی کافی اشاعت ہو اور ملک میں غیر معمولی طرز پر اسکو رواج دیا جائے قوم کی اس اہم ضرورت کا پورا کرنا وکیل ٹریڈنگ کمپنی کا خاص مقصد ہے۔ اسلام میں ابتداً اس قسم کی ایک کمپنی مشترکہ سیراف میں قائم ہوئی تھی اور تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اس کو نہایت فروغ تھا۔ وکیل ٹریڈنگ کمپنی کے لئے اُس کی متابعت ایک فال نیک ہے۔ کمپنی کا راس المال ایک لاکھ روپیہ ہے اور دو ہزار حصص پر منقسم ہے۔ ہر حصہ کی قیمت پچاس روپیہ ہے۔ قوم کا ہر فرد اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔ درخواست ممبری کے ساتھ پانچ روپے۔ درخواست منظور ہونے پر دس روپے اور باقی روپیہ مختلف قسطوں میں حسب ضرورت وصول کیا جاتا ہے۔ اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:-

(۱) اسلامی لٹریچر کو اشاعت (۲) تالیف تصنیف اور ترجمہ کے ذریعہ سے قوم میں علمی مذاق کی توسیع (۳) اردو فارسی عربی انگریزی کتابوں اور اسٹیشنری۔ مشینری ٹائپ و کاغذ وغیرہ کی تجارت۔ منافع تقریباً دس روپیہ فیصدی +

کمپنی کے صیغہ دار الاشاعت د بکڈپو میں موضوع اور لٹریچر کے لحاظ سے ہر علم و فن کی مفید و منتخب کتابوں کا ذخیرہ فراہم رہتا ہے جسکی غائت اصلی یہ ہے کہ ملک میں عمدہ و قابل قدر و فائدہ بخش کتابوں کے مطالعہ کا مذاق وسیع ہو اور مضر کتابوں کے مہلک اثر سے اہل ملک کو بچایا جائے۔ فرمائشوں پر فوراً عملدرآمد ہوتا ہے اور ہر امر میں تدین اور کفایت کا لحاظ رہتا ہے۔ مفصل فہرست قابل دید ہے۔ جو طلب کرتے پر روانہ ہوگی +

المشتہر۔ منیجر وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر۔ (پنجاب)

وسط نقل کردی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی التزام کیا گیا ہے کہ انھیں کتابوں کے حوالے دئے ہیں جو زیادہ تر مصر و بیروت و قسطنطنیہ اور خاصکر یورپ میں چھپ چکی ہیں اور ہندوستان میں مل سکتی ہیں کہ اصل منقول عنہ کے دیکھنے میں بھی کسی کو دقت نہ ہو اور ٹینٹلسٹ فرقہ (مستشرقین یورپ) علوم و فنون کے صدہا جزئیات کا انکشاف علمائے اسلام سے منسوب کرتا ہے اور دوسری جانب تنگ خیال مورخین (جورجی زیدان و فارس نمر و فرح الفلون و نوفل و جبارہ وغیرہ) کو مسلمانوں کے علم میں کوئی شاندار جدت نظر نہیں آتی۔ وہ اہل عرب کو یونانی علوم کا صرف مترجم کہتے ہیں۔ اس کتاب میں ان دونوں پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے اور تصویر کے دونوں رُخ دکھائے گئے ہیں۔ ہر علم کے واقعات اور مسائل اور مقدمات خود اُس علم کی قدیم عربی کتابوں سے لئے گئے ہیں اور جدید اصول تنقید و درایت سے اُنپر بحث کی گئی ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر اب تک کوئی مستقل کتاب شائع نہیں ہوئی تھی یہ سب سے پہلی تالیف ہے جسکے دو جداگانہ اڈیشن عربی و اُردو میں الگ الگ شائع ہوئے ہیں۔ مولفہ عبداللہ العمادی۔ قیمت .... ۱۲؍

الدین یسر

یہ محققانہ رسالہ درحقیقت حدیث نبوی إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ (دین تو آسان چیز ہے) کی ایک بےمثل حکیمانہ تفسیر ہے جسمیں نصوص صحیحہ سے ثبوت دیا گیا ہے کہ ہمارے مذہب کے اصول نہایت آسان ہیں اور فروع میں بھی کوئی دشواری نہیں۔ مذہبی احکام میں آجکل جو سخت دشواریاں نظر آتی ہیں وہ زمانہ انحطاط کے مولویوں کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اسلام کے تمام احکام اصل میں نہایت سادہ و قریب الفہم ہیں۔ ہر قوم اور ہر ملک کیلئے اسلام کی پابندی آسان ہے اور وہ ہر حیثیت سے دنیا کے عالمگیر مذہب ہونے کی اس میں صلاحیت موجود ہے مولفہ شمس العلماء مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالیؔ۔ قیمت .... ۳؍

مُسلمانوں کی تہذیب

یہ کتاب نوّاب محسن الملک مرحوم کی تالیف ہے۔ اس میں تاریخی واقعات سے ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی اصل تہذیب کیا تھی؟ تہذیب کی ہر ایک شاخ میں اُنھوں نے کیسی حیرت انگیز ترقی کی تھی؟ مہذب دنیا پر اُن کا کیا اثر پڑا اور یورپ نے کیونکر اُن سے فائدہ اُٹھایا؟ یہ مبارک تہذیب جو خاص اسلام نے پیدا کی تھی اور شارعِ اسلام اس کے بانی تھے زمانے نے کس طرح اِس کو قبول کیا۔ اسلامی تہذیب کے خصائص کیا ہیں؟ تنزل کیونکر ہُوا اور اُسکے اسباب کیا ہیں۔ نہایت دلچسپ اور معنے خیز کتاب ہے۔ قیمت ... ۴ر

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کی یہ بالکل جدید تالیف ہے جس کی تدوین خاص دکیل ٹریڈنگ کمپنی کیلئے ہوئی ہے۔ تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید میں مولانا کا پایہ اظہر من الشمس ہے۔ شہنشاہِ عالمگیر پر جو الزامات وارد ہوتے ہیں اور بھائیوں کے قتل، باپ کی گرفتاری، تعصب مذہبی، ہندوؤں کے ساتھ مخاصمت، بت شکنی وغیرہ کے متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ اِن اعتراضات کو واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ باتیں پست نظر اور تنگ خیال افسانہ نویسوں کی پیدا کی ہوئی ہیں جو اُس صدی کے بہت بعد پیدا ہوئے تھے اور جنکی کتابیں قوم کی بد مذاقی سے تاریخ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ مولانا نے خود اُس عہد کی مستند تاریخوں سے تمام واقعات کی تحقیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ گو یہ مورخین بھی عالمگیر کے دوست نہ تھے مگر واقعات کو کیونکر چھپا سکتے تھے۔ اہل یورپ کی غلط فہمیوں پر درایت کی نظر ڈالی ہے اور ہر واقعہ کی اصلیت فلسفۂ تاریخ سے دریافت کی ہے۔ قیمت ۸ر

المشتہر مینیجر بک ڈپو وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرت سر